لِيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

النور

اکتوبر، نومبر ۲۰۰۱ء

اخا، نبوت ۱۳۸۰ ہش
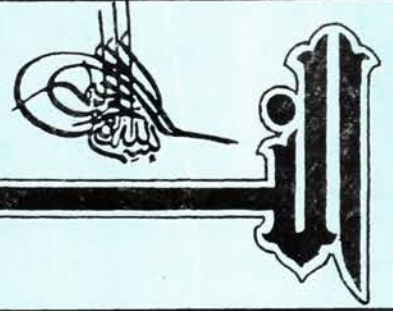
THE AHMADIYYA GAZETTE IS PUBLISHED BY **THE AHMADIYYA MOVEMENT IN ISLAM, Inc**, AT THE LOCAL ADDRESS
31 Sycamore St., Box 226, Chauncey, OH 45719.
PERIODICALS POSTAGE PAID AT CHAUNCEY, OHIO 45719. Postmaster: Send address changes to:

THE AHMADIYYA GAZETTE
P. O. BOX 226
CHAUNCEY, OH 45719

THE TAHIR AHMADIYYA ELEMENTARY SCHOOL

By the Grace of Allah, the Tahir Ahmadiyya Elementary School has been successfully started in Milwaukee, Wisconsin. The Tahir Ahmadiyya Elementary School Committee is chaired by Mr. Naseer Ahmad Nasir. Mr. Bilal Ali is a teacher at the school.

All the Jamaat members are requested to pray for a smooth and successful operation of the Tahir Ahmadiyya Elementary School.

Children with Milwaukee Jamaat members

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

۱۸۴۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے اسی طرح فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

۱۸۵۔ گنتی کے چند دن ہیں۔ پس جو بھی تم میں سے مریض ہو یا سفر پر ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اتنی مدت کے روزے دوسرے ایام میں پورے کرے۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں ان پر فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔ پس جو کوئی بھی نفلی نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہت اچھا ہے۔ اور تمہارا روزے رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

اکتوبر۔ نومبر ۲۰۰۱ء

اخاء، نبوت ۱۳۸۰ ہش

فہرست مضامین

نگران: صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت امریکہ

ایڈیٹر: سید شمشاد احمد ناصر

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۸۶

۱۸۶۔ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کے لئے ایک عظیم ہدایت کے طور پر اتارا گیا اور ایسے کھلے نشانات کے طور پر جن میں ہدایت کی تفصیل اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے امور ہیں۔ پس جو بھی تم میں سے اس مہینے کو دیکھے تو اس کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی پوری کرنا دوسرے ایام میں ہوگا۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا اور چاہتا ہے کہ تم (سہولت سے) گنتی کو پورا کرو اور اس ہدایت کی بنا پر اللہ کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تمہیں عطا کی اور تا کہ تم شکر کرو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۱۸۷

۱۸۷۔ اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۱۸۶

۱۸۶۔ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن انسانوں کے لئے ایک عظیم ہدایت کے طور پر اتارا گیا اور ایسے کھلے نشانات کے طور پر جن میں ہدایت کی تفصیل اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے امور ہیں۔ پس جو بھی تم میں سے اس مہینے کو دیکھے تو اس کے روزے رکھے اور جو مریض ہو یا سفر پر ہو تو گنتی پوری کرنا دوسرے ایام میں ہوگا۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا اور چاہتا ہے کہ تم (سہولت سے) گنتی کو پورا کرو اور اس ہدایت کی بنا پر اللہ کی بڑائی بیان کرو جو اس نے تمہیں عطا کی اور تا کہ تم شکر کرو۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّىْ فَاِنِّىْ قَرِيْبٌ ۭ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۱۸۷

۱۸۷۔ اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ پس چاہئے کہ وہ بھی میری بات پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تا کہ وہ ہدایت پائیں۔

پیارے رسول ﷺ کی پیاری باتیں

روزہ اور اسکی اہمیت

ـــ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّیَامَ فَاِنَّهٗ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ. وَالصِّیَامُ جُنَّةٌ فَاِذَا کَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِکُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ، اِنِّیْ صَآئِمٌ. وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْیَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِیْحِ الْمِسْكِ. لِلصَّآئِمِ فَرْحَتَانِ یَفْرَحُهُمَا، اِذَا اَفْطَرَ فَرِحَ، وَاِذَا لَقِیَ رَبَّهٗ فَرِحَ بِصَوْمِهٖ. (بخاری کتاب الصوم باب هل یقول انی صائم اذا شتم)

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انسان کے سب کام اس کے اپنے لیے ہیں مگر روزہ میرے لیے ہے اور میں خود اسکی جزا بنوں گا یعنی اس کی اس نیکی کے بدلہ میں اسے اپنا دیدار نصیب کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے روزہ ڈھال ہے، پس تم میں سے جب کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بیہودہ باتیں کرے نہ شور و شر کرے اگر اس سے کوئی گالی گلوچ ہو یا لڑے جھگڑے تو وہ جواب میں کہے کہ میں نے تو روزہ رکھا ہوا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے! روزے دار کے منہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔ کیونکہ اس نے اپنا یہ حال خدا تعالیٰ کی خاطر کیا ہے۔ روزہ دار کیلئے دو خوشیاں مقدر ہیں ایک خوشی اسے اس وقت ہوتی ہے جب وہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری اس وقت ہوگی جب روزے کی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ کی ملاقات نصیب ہوگی۔

ـــ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَیْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِیْ اَنْ یَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ.

(بخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور والعمل به)

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنے اور جھوٹ پر عمل کرنے سے اجتناب نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں یعنی اس کا روزہ رکھنا بیکار ہے۔

ـــ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا جَآءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ.

(بخاری کتاب الصوم باب هل یقال رمضان او شهر رمضان)

حضرت ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

ـــ عَنْ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ وَاَدْبَرَ النَّهَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّآئِمُ.

(بخاری کتاب الصوم باب متی یحل فطر الصائم)

حضرت عمر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رات آجائے اور دن چلا جائے یعنی سورج غروب ہو جائے تو روزہ دار کو روزہ کھول لینا چاہیئے۔

ـــ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ. (بخاری کتاب الصوم باب تعجیل الافطار)

حضرت سہل بن سعد رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ افطار کرتے ہیں جب تک لوگ جلدی کرتے رہیں گے اس وقت تک خیر و برکت، بھلائی اور بہتری حاصل کرتے رہیں گے۔

ـــ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا نَسِیَ اَحَدُکُمْ فَاَکَلَ اَوْ شَرِبَ

فَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ فَاِنَّمَا اَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ۔

(بخاری کتاب الصوم باب الصائم اذا اکل او شرب)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھول کر روزے میں کھاپی لے (اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا) وہ اپنا روزہ پورا کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو کھلایا پلایا ہے۔ یعنی اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔

— عَنِ الرَّبَابِ عَنْ عَمِّهَا سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ يَبْلُغُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَاِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ تَمْرًا فَالْمَاءُ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ، وَقَالَ: اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔

(ترمذی کتاب الزکوٰۃ باب فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ)

حضرت رباب اپنے چچا حضرت سلمان بن عامرؓ سے بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ افطاری کھجور سے کرو اور اگر کھجور کسی کو میسر نہ ہو تو سادہ پانی سے کرو۔ اسی طرح فرمایا کہ کسی غریب کی مدد کرنا تو صرف صدقہ ہے لیکن اپنے کسی غریب عزیز کی مدد کرنا دُہرا ثواب ہے یہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

— عَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَفْطَرَ. قَالَ: اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ (ابوداؤد کتاب الصیام باب القول عند الافطار)

حضرت معاذ بن زہرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دُعا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ یعنی اے اللہ! میں نے تیری رضا کی خاطر روزہ رکھا ہے اور تیرے دیئے ہوئے رزق سے میں روزہ کھول رہا ہوں۔

— عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَفْطَرَ قَالَ: ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔

(ابوداؤد کتاب الصیام باب القول عند الافطار)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرنے کے بعد یہ فرماتے تھے ذَهَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ پیاس جاتی رہی اور رگیں تر ہوگئیں اور اَجر ثابت ہوا یعنی انشاء اللہ اس کا ثواب ضرور ملے گا۔

— عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئٌ۔

(ترمذی کتاب الصوم باب فضل من فطر صائمًا۔)

حضرت زید بن خالدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو روزہ افطار کرائے اسے روزہ رکھنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ لیکن اس سے روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی

— عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔

(مسلم کتاب الصیام باب استحباب صوم ستۃ ایام من شوال)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے۔ اس کے بعد (عید کا دن چھوڑ کر) شوّال کے بھی چھ روزے رکھے اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جیسے اس نے سال بھر کے روزے رکھے ہوں (کیونکہ ایک روزے کا دس گنا ثواب ملتا ہے۔ اس طرح چھتیس روزوں کا تین سو ساٹھ گنا ثواب ملے گا)۔

— عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(بخاری کتاب الصوم۔ باب فضل من قام رمضان ص۲۶۰ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کے تقاضے اور ثواب کی نیت سے رمضان کی راتوں میں اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کے گزشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں

— عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رِجَالًا مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اَرٰی رُؤْیَاکُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ، فَمَنْ کَانَ مُتَحَرِّیْهَا فَلْیَتَحَرَّهَا فِی السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ۔

(بخاری کتاب الصوم باب التمسوا لیلۃ القدر فی السبع الاواخر)

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ کو لیلۃ القدر خواب میں رمضان کے آخری سات دنوں میں دکھائی گئی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب رمضان کے آخری ہفتہ پر متفق ہیں اس لیے جو شخص لیلۃ القدر کی تلاش کرنا چاہے وہ رمضان کے آخری ہفتہ میں کرے۔

— عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْهَا؟ قَالَ: قُوْلِیْ: اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

(ترمذی کتاب الدعوات)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ اے اللہ کے رسول! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو اس میں میں کیا دعا مانگوں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ تم یوں دعا کرنا: اے میرے خدا تو بخشنے والا ہے۔ بخشش کو پسند کرتا ہے۔ مجھے بخش دے اور میرے گناہ معاف کر دے۔

— عَنْ اَبِی الدَّرْدَآءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ، قَالَ اَوْصَانِیْ حَبِیْبِیْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثٍ لَنْ اَدَعَهُنَّ مَا عِشْتُ بِصِیَامِ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَهْرٍ، وَصَلٰوۃِ الضُّحٰی وَبِاَنْ لَا اَنَامَ حَتّٰی اُوْتِرَ۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب صلوٰۃ الضحٰی)

حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے حبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی تاکید فرمائی جن کو میں زندگی بھر نہیں نہیں چھوڑوں گا۔ ایک آپؐ نے یہ فرمایا کہ میں ہر مہینے میں تین روزے رکھوں، دوسرے چاشت کی نماز پڑھوں، تیسرے وتر پڑھے بغیر نہ سوؤں۔

رمضان کا مہینہ

مومن کے لئے سب سے زیادہ محفوظ مہینہ ہے

(خلاصہ خطبہ جمعہ ۲۶ جنوری ۱۹۹۶ء)

لندن (۲۶ جنوری) سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آج مسجد فضل لندن میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے ہوئے روزوں کی فضیلت کے مضمون کو قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں تفصیل سے بیان فرمایا۔ حضور نے فرمایا کہ رمضان کے فوائد اور برکتوں کا سب سے زیادہ علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو تھا۔ اس حوالہ سے حضور ایدہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی بعض احادیث پیش فرمائیں اور بتایا کہ جو شخص ایمان اور اخلاص کے ساتھ روزے رکھتا ہے اس کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ حضور نے بتایا کہ تہجد کی نماز خصوصیت سے رمضان سے تعلق رکھتی ہے۔ اس پہلو سے روزہ رکھنے والوں کے لئے تہجد میں داخل ہونے کا ایک راستہ کھل جاتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ بچوں کو بھی سحری کے لئے اٹھنے کی عادت ڈالیں اور جو روزہ نہیں رکھ سکتے وہ اس وقت نوافل ہی پڑھیں۔

حضور انور ایدہ اللہ نے حدیث کے حوالے سے بتایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیاطین جکڑ دئے جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ رمضان کے مہینہ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو کوئی برا کام کرے۔ بلکہ یہ خوش خبری ان مومنوں کے لئے ہے جو قرآن اور حضرت محمدؐ رسول اللہ کی اطاعت کے دائرے میں رہتے ہیں۔ رمضان ان کے لئے اتنی نیکیوں کا پیغام لاتا ہے اور اتنے تقویٰ کی تعلیم دیتا ہے کہ ان کے لئے ممکن ہی نہیں رہتا کہ وہ کوئی ایسی حرکت کریں جو انہیں دوزخ کی طرف لے جائے۔ رمضان کا مہینہ مومن کے لئے سب سے زیادہ محفوظ مہینہ ہے کیونکہ ہمہ وقت اس کی توجہ اس طرف رہتی ہے کہ میں اس مہینہ میں نیکیاں کما کر گزاروں اور بدیاں جھاڑ کر گزاروں۔ حضور نے فرمایا کہ ہر انسان کا ایک شیطان ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ مومن کا وہ شیطان رمضان میں جکڑا جاتا ہے۔ اس کو مستقل جکڑنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حضور نے فرمایا کہ جہنم کا دروازہ ان لوگوں کے لئے کھل جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور قرآن کے دائرے سے باہر زندگی بسر کرتے ہیں۔

ارشادات عالیہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

صلوٰۃ کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے بعد روزے کی عبادت ہے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں بعض (-) ایسے بھی ہیں جو کہ ان عبادات میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اندھے ہیں اور خدا تعالیٰ کی حکمت کاملہ سے آگاہ نہیں ہیں۔ تزکیہ نفس کے واسطے یہ عبادات لازمی پڑی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ جس عالم میں داخل نہیں ہوئے اس کے معاملات میں بیہودہ دخل دیتے ہیں اور جس ملک کی انہوں نے سیر نہیں کی اس کی اصلاح کے واسطے جھوٹی تجویزیں پیش کرتے ہیں۔ ان کی عمریں دنیوی دھندوں میں گذرتی ہیں۔ دینی معاملات کی ان کو کچھ خبر ہی نہیں۔ کم کھانا اور بھوک برداشت کرنا بھی تزکیہ نفس کے واسطے ضروری ہے اس سے کشفی طاقت بڑھتی ہے انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بالکل ابدی زندگی کا خیال چھوڑ دینا اپنے اوپر قہر الٰہی کا نازل کرنا ہے مگر روزہ دار کو خیال رکھنا چاہئے کہ روزے سے صرف یہ مطلب نہیں کہ انسان بھوکا رہے بلکہ خدا کے ذکر میں بہت مشغول رہنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں بہت عبادت کرتے تھے۔ ان ایام میں کھانے پینے کے خیالات سے فارغ ہو کر اور ان ضرورتوں سے انقطاع کر کے تبتل الی اللہ حاصل کرنا چاہئے۔ بد نصیب ہے وہ شخص جس کو جسمانی روٹی ملی مگر اس نے روحانی روٹی کی پروا نہیں کی۔ جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے ایسا ہی روحانی روٹی روح کو قائم رکھتی ہے اور اس سے روحانی قویٰ تیز ہوتے ہیں۔ خدا سے فیضیاب ہونا چاہو کہ تمام دروازے اس کی توفیق سے کھلتے ہیں۔

(تقاریر جلسہ سالانہ 1906ء ص 21-20)

رمضان کا مہینہ استغفار کا مہینہ ہے

سید الاستغفار پڑھنے کی تحریک

جن کو عربی متن یاد رکھنا مشکل ہے وہ مضمون کو حاضر رکھیں

ارشاد حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

سیدنا حضرت خلیفة المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 31-دسمبر 1998ء کو عالمی درس قرآن میں فرمایا کہ آج کل رمضان کا مہینہ ہے جو استغفار کا مہینہ ہے- بہت لوگ حاجت روائی کے لئے خط لکھتے ہیں-ان کو یاد رہے کہ حاجت براری سے پہلے استغفار ضروری ہے-رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ پھر ان کو رزق دیا جائے گا اور تنگیاں دور کر دی جائیں گی- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو مبارک ہو جس کے نامہ اعمال میں استغفار بہت پایا گیا- حضور ایدہ اللہ نے فرمایا جو استغفار عام لوگ کرتے ہیں وہ اس سے بہت مختلف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے-اس ضمن میں حضور ایدہ اللہ نے بخاری کتاب الدعوات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار پیش فرمایا اور فرمایا یہ بہت اعلیٰ مضمون ہے جن احباب جماعت کو اس کا عربی متن یاد رکھنا مشکل ہو اس کا ترجمہ اور مضمون حاضر رکھیں اور اپنے الفاظ میں استغفار کیا کریں- یہ سید الاستغفار ہے اس کو رمضان کے تحفے کے طور پر یاد رکھیں-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی یقین کے ساتھ دن کو یہ دعا کرے اور شام سے پہلے مر جائے تو وہ اہل جنت میں سے ہوگا-اسی طرح جو شخص رات کو یہ دعا کرے اور صبح ہونے سے پہلے مر جائے تو وہ بھی اہل جنت میں شامل ہوگا-

ذیل میں سید الاستغفار کا اصل متن اور ترجمہ درج کیا جا رہا ہے-

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّی ، لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ ، خَلَقْتَنِیْ ، وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ ، فَاغْفِرْلِیْ فَاِنَّهٗ لاَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اَنْتَ-

(صحیح بخاری کتاب الدعوات باب افضل الاستغفار)

ترجمہ-اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں حسب توفیق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں، میں اپنے عمل کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، میں اپنی ذات پر تیری نعمتوں اور احسانوں کا اعتراف کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں- پس تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو بخشنے والا نہیں-

رمضان مبارک

رمضان المبارک کو پانچوں نمازوں، نمازِ تہجد- نمازِ تراویح، تلاوتِ قرآنِ کریم اور خدا تعالیٰ کی راہ میں کثرت سے صدقہ وخیرات کے ذریعہ مزیّن کریں-

رمضان میں اپنی عبادت کی طرف توجہ کریں۔ نمازوں کے لطف اٹھائیں اور اپنے ماحول میں نماز کو قائم کریں

انسانوں سے ہمدردی رمضان کا حصہ ہے۔ جس حد تک کسی کی توفیق ہو وہ اگر خود کسی غریب تک پہنچ سکتا ہے تو پہنچے ورنہ جماعت کی وساطت سے صدقہ و خیرات میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے

رمضان میں جھوٹ کے خلاف بھی جہاد کریں اور جھوٹ کے خلاف جہاد میں بڑی کثرت کے ساتھ دعائیں کریں

رمضان کے موسم میں تمہارے دل نیکیوں پر آمادہ ہیں۔ اس فضا سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ نیکیوں کی جو ہوا چلائی گئی ہے ان ہواؤں کے رخ پر تیز رفتاری سے آگے بڑھو

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
فرمودہ ۱۸؍ فروری ۱۹۹۴ء بمطابق ۱۸؍ تبلیغ ۱۳۷۳ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله۔

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم ۔

الحمدلله رب العٰلمين ۔ الرحمٰن الرحيم ۔ مٰلك يوم الدين ۔ إياك نعبد و إياك نستعين ۔

اهدنا الصراط المستقيم ۔ صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔

گزشتہ جمعہ میں مَیں نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے جماعت کو رمضان سے متعلق کچھ نصائح کی تھیں۔ یہ مضمون ابھی جاری تھا کہ وقت ختم ہو گیا۔ یہ ایسا مضمون ہے جسے ہر سال دہرایا جاتا ہے اور دہرایا جاتا رہنا چاہئے۔ کیونکہ ایک سال کے عرصے میں انسان بہت سی نیک باتوں کو بھول چکا ہوتا ہے اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے میں کئی قسم کے زنگ دوبارہ لگ چکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اپنے مدینہ کے متعلق جہاں آپؐ تھے یہ فرمایا کہ مدینہ تو ایک بھٹی کی طرح ہے جب لوہا اس میں تپا کر صاف ستھرا کر کے ہر آلائش سے پاک کر کے باہر نکالا جاتا ہے تو پھر کچھ عرصہ کے بعد زنگ لگ جاتے ہیں اور اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ پھر اسی بھٹی میں جھونکا جائے۔ پس اس لئے آپؐ نے نصیحت فرمائی کہ بار بار صحابہ اور دور کے رہنے والے خصوصیت کے ساتھ مدینہ میں آئیں اور اپنے ان زنگوں کو دُور کرتے رہیں جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی پاک صحبت سے دوری کے نتیجے میں لگ گئے۔ یہ وہ مضمون ہے جس کو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بار بار بیان فرمایا اور بعض ظالموں نے عمداً دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ مکہ کی طرح قادیان کو بھی ایک ایسی جگہ سمجھتے ہیں جہاں حج کی جاتی ہے اور وہاں مرزا صاحب کی زیارت ہی سے گویا کہ عمر بھر کا حج ہو جاتا ہے۔ یہ تو خیر لغو، بیہودہ، ظالمانہ اعتراض ہیں۔ ضمناً مجھے یاد آیا تو مَیں نے بیان کر دیا مگر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس نصیحت میں حکمت وہی تھی جو خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی نصیحت میں شامل تھی یعنی دوری سے کچھ زنگ لگ جاتے ہیں، کچھ کمزوریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بار بار ان کو صاف کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی فلسفہ ہے جو اسلامی عبادات کے ساتھ منسلک ہے۔ اس گہرائی کے ساتھ کہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ایسا

شخص جس کے پاس ندی بہتی ہو، صاف شفاف پانی اس ندی میں بہہ رہا ہو اور وہ پانچ وقت اس میں غسل کرے تو اس کے جسم پر میل کچیل کیسے رہ سکتی ہے۔ تو وہ فائدہ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صحبت سے حاصل ہو سکتا تھا خدا تعالیٰ نے آپؐ کے دین میں ایسا دائمی کر دیا کہ بعد کے آنے والے زمانوں میں بسنے والے اور پیدا ہونے والے انسانوں کو یہ شکوہ اب نہیں ہو سکتا کہ ہمارے لئے پاک کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ پس پانچ وقت کی نمازیں یہ وہ عبادتیں ہیں جن میں انسان بار بار غوطے لگا کر اپنی کثافتوں کو دور کرتا ہے، اپنے میلوں کو دھوتا ہے اور پھر جمعہ کی عبادت ہے اور پھر حج کا ایک فریضہ ہے جو عمر بھر کے گند کو صاف کرنے اور میلوں کو بدن سے دور کرنے کے لئے، روحانی بدن سے دور کرنے کے لئے، کافی ہو جاتا ہے۔ ایک رمضان ہے جو ہر سال دہرایا جاتا ہے اور رمضان کے ساتھ وابستہ نصیحتیں بھی ہر سال دہرائی جاتی رہنی چاہئیں اور لازم ہے کہ انسان ان کو غور سے سنے اور حرز جان بنائے، اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے اور یہ نیک ارادے باندھے کہ مَیں ان سے پوری طرح استفادہ کروں گا۔ رمضان میں بھی دراصل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صحبت ہی ہے جو فیض پہنچاتی ہے۔ جب ہم آپ کی احادیث کے حوالے سے نصیحت کرتے ہیں تو وہ صحبت سے جو صحابہ پاتے تھے وہی بات ہے جو الفاظ میں آپ کے سامنے رکھی جاتی ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا اسوہ حسنہ جو زندگی کے مختلف ادوار میں آپؐ سے ظاہر ہوا اور روزانہ صبح و شام کے بدلنے کے ساتھ بھی وہ نئے جلوے اپنے اندر پیدا کرتا اور دکھاتا رہا، ان جلووں کے حوالے سے بھی صحبت کا ایک حصہ میسر آ جاتا ہے۔ . . .

آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے، بخاری و مسلم دونوں نے کتاب الصوم میں درج کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان کا مہینہ آتا ہے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دوسری یہ روایت ہے کہ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ یعنی آسمان کے دروازوں سے مراد کیا ہے؟ جنت کے دروازے۔ اور جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دئے جاتے ہیں اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں۔

اس حدیث سے متعلق پہلے بھی مَیں کئی سال سے یہ بات جماعت کے گوش گزار کرتا رہا ہوں کہ ظاہری طور پر دیکھا جائے تو رمضان کے مہینے کا کوئی ایسا اثر دنیا پر تو ظاہر نہیں ہوتا جس سے یہ معلوم ہو کہ گناہ کم ہو گئے ہیں اور نیکیاں بڑھ گئی ہیں اور جہنم کے دروازے بند ہو رہے ہیں اور جنت کے دروازے کھل رہے ہیں۔ اور بسا اوقات خود مسلمانوں میں بھی ایسے بدنصیب نظر آتے ہیں جو رمضان کے مہینے میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جہنم کے دروازے یوں لگتا ہے پہلے سے زیادہ بڑے ہو کر کھل رہے ہیں اور جنت کے دروازے ان کے لئے اور بھی تنگ ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے اس مضمون کو سمجھنے کے لئے ہر انسان کو اپنی ایک کائنات کا تصور کرنا ہوگا۔ ہر انسان کی اپنی زمین ہے اور اپنا آسمان ہے اور اس حدیث کا تعلق ہر شخص کی زمین اور ہر شخص کے آسمان سے ہے۔ وہ شخص جو رمضان میں اپنی کائنات میں تبدیلیاں پیدا کرتا ہے اور وہ نیکیاں اختیار کرتا ہے جو اس مہینے کے ساتھ وابستہ ہیں اور جو اس کے لئے آسان کر دی جاتی ہیں، اس کے لئے یقیناً اس کے آسمان کے دروازے کشادہ ہو رہے ہوتے ہیں اور اس کی جہنم کے دروازے بند ہو رہے ہوتے ہیں۔ لیکن اگر رمضان آئے

اور وہ ان نیکیوں سے فائدہ نہ اٹھائے تو پھر اس حدیث کے مضمون اور اس کی خوشخبریوں کا اطلاق اس کے جہان پر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ غیروں کا جہان دیکھیں وہ اس حدیث کے مضمون سے مستثنیٰ، بے نیاز ایک الگ زندگی بسر کر رہا ہے اور اس کے مشاغل اسی طرح بد ہیں جیسے پہلے ہوا کرتے تھے، رمضان نے ان پر کوئی نیک اثر نہیں ڈالا۔

رمضان میں کیوں یہ دروازے یعنی رحمت کے اور بخشش کے دروازے زیادہ کھولے جاتے ہیں اور روزمرہ کی زندگی میں کیوں نسبتاً تنگ ہو جاتے ہیں۔ اس مضمون پر غور کریں تو حقیقت یہ ہے کہ رمضان میں نیکی کی ایک فضا قائم ہوتی ہے، ایک ماحول بن جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی کہتے ہیں ہمیں اٹھاؤ ہم نے بھی روزہ رکھنا ہے اور بعض بے چارے جب آدھی رات کو اٹھتے ہیں تو گھبرا جاتے ہیں کہ نہیں ہم نے تو اتنی جلدی روزہ نہیں رکھنا مگر نیکی کی خواہش ضرور ان کے دلوں میں کلبلاتی ہے اور ہر گھر میں یہ نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ اور بعض جو پورا نہیں رکھ سکتے وہ کہتے ہیں ہمیں دو روزے رکھوادو، آدھے آدھے رکھ لیں گے لیکن روزے کی طرف توجہ، نمازوں کی طرف توجہ اس عمر میں بھی شروع ہو جاتی ہے جس عمر میں ابھی ان عبادتوں کا ان کو مکلف نہیں کیا گیا۔ ان پر یہ عبادتیں فرض نہیں کی گئیں۔ تو یہ تو وہ ماحول ہے جیسے برسات کے زمانے میں بعض جڑی بوٹیاں پھوٹتی ہیں، سبزہ ہر طرف پھوٹنے لگتا ہے یا بہار کے دنوں میں بعض بنجر علاقوں میں بھی بہت خوبصورت پھول نکل آتے ہیں۔ تو رمضان کا موسم ہے جس کی بات ہو رہی ہے۔ اس موسم میں تمہارے دل نیکیوں پر آمادہ ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان میں ایک طبعی میلان جوش مار رہا ہے کہ نیکی کریں۔ اس فضا سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ نیکیوں کی جو ہوا چلائی گئی ہے ان ہواؤں کے رخ پر تیز رفتاری سے آگے بڑھو۔ پھر دیکھو کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے کھلتے چلتے جائیں گے اور جہنم کے دروازے تم پر بند ہوتے چلے جائیں گے۔

> **رمضان کے ساتھ وابستہ نصیحتیں بھی ہر سال دہرائی جاتی رہنی چاہئیں اور لازم ہے کہ انسان ان کو غور سے سنے اور حرز جان بنائے، اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے اور یہ نیک ارادے باندھے کہ مَیں ان سے پوری طرح استفادہ کروں گا۔**

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے جن دروازوں کے کھلنے کا ذکر کیا ہے وہ ہر انسان کی اپنی کائنات کے الگ الگ دروازے ہیں اور جن شیطانوں کے جکڑ دینے کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی ہر انسان کے اپنے اپنے نفس کے شیطان ہیں۔ جو رمضان کے تقاضے پورے کرنے کی تمنا رکھتے ہیں ان کے شیطان ضرور جکڑے جاتے ہیں اور رمضان کے بعد اور رمضان کے دوران کی کیفیت میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ کیسا ہی کوئی انسان نیک ہو پھر بھی فرق پڑ جاتا ہے۔ جو رمضان کے دوران نیکی پر پابندی اختیار کی جاتی ہے، گناہوں اور لغویات سے بچنے کی احتیاطیں کی جاتی ہیں وہ رمضان کے بعد ویسی رہتیں ہی نہیں۔ تو اگرچہ جو شیطان ایک دفعہ قید کر دیا جائے حق تو یہ ہے کہ اسے عمر قید کی سزا ملے اور پھر کبھی آزادی نہ ملے۔ لیکن انسان کمزور ہے اور کسی نہ کسی پہلو سے کچھ آزادیاں اپنے شیطان کو ضرور دے دیتا ہے۔ پھر ایک اور رمضان آتا ہے پھر ایک اور آتا ہے پھر ایک اور آتا ہے۔ دعا یہ کرنی چاہئے کہ ہمیں موت ایسی حالت میں آئے کہ جب ہمارا شیطان جکڑا ہوا ہو۔ ہمیں خدا ایسے وقت میں بلائے جبکہ جنت کے دروازے ہمارے لئے پوری طرح کشادہ ہو چکے ہوں اور ایسے وقت میں ہم جان دیں

جب جہنم کے دروازے ہم پر بند ہو چکے ہوں۔ یہ جو مضمون ہے اس کا کوشش سے زیادہ فضل سے تعلق ہے۔ کوشش سے اس حد تک کہ گہری سوچ کے ساتھ اور فکر کے ساتھ اور اس مضمون میں ڈوب کر دعا کی جائے جو معنی خیز ہو۔ ہونٹوں سے نہ نکلے، دل کی گہرائیوں سے اٹھ رہی ہو اور پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں مدد مانگی جائے۔

پس اس رمضان مبارک میں جو نصیحتیں بار بار دہرائی جاتی ہیں ان میں ایک یہ بھی نصیحت ہے۔ مگر جب بھی نصیحت دہرائی جاتی ہے کوئی نیا پہلو اس کا خدا تعالیٰ سامنے لے آتا ہے اور جماعت کو اس کی طرف توجہ دلانے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ پس اس حدیث کے حوالے سے مَیں اس دعا کی طرف جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ یہ دعائیں کرتے رہیں کہ رمضان کی نیکیاں آکر گزر بھی جائیں تو ہمارا انجام ایسی حالت میں ہو گویا رمضان میں مر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں ہو جب کہ تو ہم سے سب سے زیادہ راضی ہو اور اس پر ہمارا اپنا کوئی اختیار نہیں، انسان کی بے بسی کا معاملہ ہے۔ اللہ ہی ہے جب چاہے جس کو بلائے اور جس حالت میں چاہے بلالے۔ اس لئے رمضان مبارک میں اپنے لئے اور اپنے بھائیوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ یہ دعائیں کریں۔

ایک دوسری حدیث مسند احمد بن حنبل بحوالہ فتح الربانی جز ۹ صفحہ ۲۲۲ سے لی گئی ہے۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ: ”جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور جس نے رمضان کے تقاضوں کو پہچانا اور ان کو پورا کیا اور جو رمضان کے دوران ان تمام باتوں سے محفوظ رہا جن سے ان کو محفوظ رہنا چاہئے یعنی جس نے ہر قسم کے گناہ سے اپنے آپ کو بچائے رکھا تو ایسے روزہ دار کے لئے اس کے روزے اس کے پہلے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں“۔

اس حدیث کا اس سے ملتی جلتی بعض اور احادیث سے بھی تعلق ہے اور مَیں ان کے حوالے سے اس مضمون کو زیادہ واضح کرنا چاہتا ہوں۔ بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جن میں آپ کو یہ ملے گا کہ ایک روزہ دار کی روزہ کشائی کر دو اور تمہارے سارے گناہ بخشے گئے، ہمیشہ کے لئے نجات پا گئے۔ سوال یہ ہے کہ ایک طرف اتنی محنت کا حکم اور ارشاد کہ تمام مہینہ بھر رمضان کے سارے تقاضے پورے کرو اور رمضان کے تقاضے پورا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ کہنے میں آسان لگے لیکن حقیقت میں یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ رمضان مبارک تمام عبادتوں کا معراج ہے۔ عبادتوں کے اندرونی رشتوں کے لحاظ سے نماز عبادتوں کا معراج ہے۔ لیکن رمضان مبارک میں وہ بھی اکٹھی ہو جاتی ہیں اور شدت کے ساتھ پوری محنت کے ساتھ اور دل لگا کر نماز ادا کی جاتی ہے۔ پس تمام عبادتیں اپنے معراج کو پہنچتی ہیں اور ایسے وقت میں ان کے تقاضے پورے کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا ایک طرف تو یہ ارشاد فرمانا کہ یہ کرو تو تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا، تمہارے پہلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ گویا حج جو عبادات میں ایک خاص مرتبہ رکھتی ہے اور عمر بھر میں ایک دفعہ ادا کرنا ضروری ہے اس سے جو فوائد وابستہ ہیں، جو ثواب وابستہ ہیں وہ ایک اچھی طرح گزارے ہوئے رمضان کے ساتھ وابستہ فرمادئے گئے۔

اور دوسری طرف یہ کہنا کہ فلاں بات کردو تو تمہارے عمر بھر کے گناہ بخشے جائیں گے اور جنت کے دروازے تمہارے لئے کھل جائیں گے اور فلاں کام کردو اور جو کام چھوٹے چھوٹے ہوں یہ بات بڑی تعجب انگیز ہے۔ ایسی حدیثیں بھی حدیثوں کی تلاش میں میرے سامنے آئیں یعنی جب میں جمعہ کے لئے انتخاب کرتا ہوں روایات کا یا حوالہ جات کا تو بہت سی روایات دیکھتا ہوں اور بعض اس موضوع کے لئے چن لیتا ہوں۔ بعض کو بعد کے لئے رکھ چھوڑا جاتا ہے ان میں ایسی حدیثیں بھی سامنے آتی ہیں مثلاً آج ہی ایسی حدیثیں بھی مَیں نے دیکھیں جن میں یہ ذکر تھا کہ روزہ کھلوادو تو تمہیں ساری زندگی کے گناہ بخشے گئے اور تمہیں ہر قسم کے ثواب میسر آگئے اور تمام نجات کے سامان ہوگئے۔ اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ صحابہ میں سے بعض نے کہا کہ ہمارے پاس توفیق نہیں۔ بہت شوق پیدا ہوا ہمیں تو توفیق نہیں ہے اتنی۔ تو فرمایا کہ اگر کوئی تھوڑا سا دودھ اور زیادہ پانی ملا کر بھی پھر بھی کسی کا روزہ کھلوا دے تو یہی ثواب اس کو میسر آ جائے گا۔ پھر دونوں باتوں کا آپس میں کیا تعلق ہے۔ دو ہی شکلیں عقلاً سامنے آتی ہیں اوّل یہ کہ بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو بعد کے زمانوں میں صوفیاء نے گھڑلی ہیں۔ اور ایسی حدیثوں کی تعداد ہزارہا بلکہ لاکھوں تک بھی بیان کی جاتی ہے۔ بعض صوفیاء کا یہ مسلک تھا کہ نیکی کی باتیں جو قرآن اور حدیث سے مطابقت رکھتی ہوں ان میں جوش پیدا کرنے کے لئے جو کہانی تم بنالو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف منسوب کرو اس نیت کے ساتھ کہ آپ کی بات لوگ مانیں گے، ہماری نہیں مانیں گے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔

> **اس حدیث کے حوالے سے مَیں اس دعا کی طرف جماعت کو متوجہ کرتا ہوں کہ یہ دعائیں کرتے رہیں کہ رمضان کی نیکیاں آکر گزر بھی جائیں تو ہمارا انجام ایسی حالت میں ہو گویا رمضان میں مر رہے ہیں۔**

حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ روایت آتی ہے۔ بڑی آپ نے محنت کی ساری زندگی یعنی زندگی کا وہ فعال حصہ جو ہوش مندی کے بعد آپؒ کو نصیب ہوا آپؒ نے حدیث کی خدمت میں صرف کیا ہے، چھان بین میں صرف کیا ہے۔ آپ ایک دفعہ ایک روایت کی تلاش میں نکلے کہ پتہ تو کروں کہ وہ راوی کون تھا اس زمانے میں جس نے یہ حدیث اپنے پہلوں سے بیان کی ہے۔ لمبے سفر کئے، خرچ کیا، محنت اٹھائی اور جب پہنچے آخر اس شہر میں جس میں بتایا گیا کہ ایک صوفی صاحب ہیں تہہ خانے میں رہتے ہیں، بہت بزرگ انسان ہیں ان کی روایت ہے۔ تو ان تک پہنچے، ان سے پوچھا کہ آپ کے متعلق بہت شہرہ ہے بہت نیک اور تقویٰ شعار انسان ہیں۔ ایک روایت مجھے آپ کی طرف منسوب ہوئی ملی ہے۔ اور مَیں تحقیق کے لئے آپ سے خود سننے کے لئے آیا ہوں۔ بتایئے یہ روایت آپ نے کس سے سنی تھی۔ وہ شخص زندہ ہے تو بتائیں مَیں پھر جا کے اس سے بھی پوچھوں۔ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو میں نے آپ بنائی ہے۔ کہا: آپ نے بنائی ہے؟ کہا: ہاں یہ دیکھو یہ سارا انبار یہ دفتر جو پڑے ہوئے ہیں روایتوں کے، یہ مَیں بیٹھا بنا رہا ہوں، یہی تو میری نیکی ہے عمر بھر کی کہ نیک کاموں کے لئے لوگوں کو اس طرح ترغیب دے رہا ہوں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ جو میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے گا، یہ بحث نہیں اٹھائی کہ اچھی ہے یا بری، بری بات کے منسوب کرنے کی تو کسی کو جرأت ہو ہی نہیں سکتی سوائے اس کے کہ اپنے نفس کے بہانے

کے لئے کوئی تاویل تراش لے مگر اکثر اچھی باتیں منسوب کی جاتی ہیں۔ فرمایا: جو کوئی بھی میری طرف کوئی بات منسوب کرے گا جو مَیں نے نہیں کہی ہو تو وہ اپنے لئے جہنم میں جگہ بنائے گا۔ مگر بعض نادان ایسے تھے جن کو علم نہیں تھا یا یہ حدیث بھی نہیں پہنچی ہو گی۔ ہم نہیں کہہ سکتے انہوں نے کہاں جگہ بنائی، اللہ بہتر جانتا ہے لیکن ایسی روایتیں تھیں اور بہت سی ایسی احادیث ہیں اس مضمون سے تعلق رکھنے والی جن میں دکھائی دیتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے مزاج کے خلاف ہیں اور جس گہرے سائنٹفک مذہب کی طرف آپؐ بلانے والے ہیں، جس کی بنیادیں ٹھوس عقل پر اور انسانی تجربے پر قائم ہیں اور جو آسمان سے ہدایت یافتہ مذہب ہے جس کا مزاج قرآن کے عین مطابق ہے اس کے برعکس بات آپؐ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے جو بہت سے اہل اللہ ہیں انہوں نے ایک یہ بھی رستہ تجویز کیا احادیث کی پرکھ کا کہ راویوں کے متعلق تو ہم تحقیق کرنے کی توفیق نہیں رکھتے اور جو ہو چکی ہو چکی۔ لیکن قرآن پڑھنے کی اور قرآن پر غور کرنے کی تو توفیق ہمیں عطا ہوتی ہے۔ پس وہ حدیثیں جن کا مضمون قرآن سے ٹکراتا ہو یا واضح طور پر قرآن ان کی تائید یا پشت پر نہ کھڑا ہو ان حدیثوں کے متعلق احتیاط اختیار کرو۔ اگر کوئی ایسا مضمون اس میں سے تلاش کر سکتے ہو جو حدیث کو چھوڑے بغیر قرآن اور دیگر احادیث کی تائید میں ہو تو اختیار کر لو۔ ورنہ ادب کے ساتھ اس حدیث کو اس خیال سے ترک کر دو کہ یہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمدؐ رسول اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ پس ایسی حدیثوں کے متعلق مَیں نے ایک دفعہ غور کیا تو مجھے ایک عجیب بات دکھائی دی۔ مجھے یاد ہے ربوہ میں وقف جدید میں ایک مضمون کے لئے مجھے بہت کثرت سے حدیثوں کی ضرورت تھی جن میں سے مَیں نے خود تلاش کرنی تھی اور ایک بھاری تعداد ان حدیثوں کی جو مجھے پیش کی گئی، بغیر حوالہ دیکھے مَیں نے اندازہ لگایا کہ یہ صحاح ستہ میں سے ناممکن ہیں اور اگر اتفاقاً صحاح ستہ میں کوئی روایت جا پا بھی گئی ہے تو انسان تحقیق کر کے اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ وہ جنہوں نے اکٹھی کی تھی مَیں نے ان سے کہا کہ یہ حدیثیں مجھے لگتی ہیں کہ بعد کے زمانے کی، بیہقی کی یا کسی اور زمانے کی ہیں اور یہ اولین زمانے کی حدیثیں نہیں ہیں۔ اور عجیب بات تھی کہ سو فیصدی یہ اندازہ درست نکلا۔ وہ تمام حدیثیں یا بیہقی کی تھیں یا بعد کے کسی اور زمانے کی تھیں۔ تو لوگ اپنے مطلب کی تلاش میں جب بے احتیاطی سے حدیثوں کو اختیار کرتے ہیں تو اس سے حدیثوں پر ایمان کو تقویت نہیں ملتی بلکہ نقصان پہنچتا ہے۔ اس بے احتیاطی کے نتیجے میں یہ جو تحریکات چلی ہیں چکڑالوی، اہل قرآن والی، انہوں نے امت کو بہت شدید نقصان پہنچایا ہے۔ بعض لوگوں کو عظیم خزانوں سے محروم کر دیا ہے۔ ساری امت کو تو نہیں لیکن امت میں ایک افتراق کی بنا ڈالی اور ان کے ایک حصہ کو گمراہ کر دیا اور محروم کر دیا۔

> **یہ نیکیوں کی جو ہوا چلائی گئی ہے ان ہواؤں کے رخ پر تیز رفتاری سے آگے بڑھو۔ پھر دیکھو کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے کھلتے چلتے جائیں گے اور جہنم کے دروازے تم پر بند ہوتے چلے جائیں گے۔**

> **پس اس پہلو سے ایک اور نیکی جس کی طرف مَیں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ غریب کی ہمدردی ہے۔**

ایک دفعہ ایک اہل قرآن سے میری گفتگو ہوئی۔ مجھے اس نے کہا کہ یہ تو ثابت ہے نا، آپ مانتے ہیں کہ غلط حدیثوں کی ایک بڑی تعداد تھی جو راہ پا گئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف منسوب ہو گئی تھی جب کھوٹ مل گیا تو ہم اس کو رد کرتے ہیں۔ مَیں نے کہا تم یہ جانتے ہو کہ

سونا کس طرح تلاش کیا جاتا ہے۔ بعض دریاؤں کے کنارے پر ریت کے انبار میں چند ذرے سونے کے ہوتے ہیں اور سارا دن وہاں عورتیں اور بچے بے چارے بیٹھ کر سردی میں اور گرمی میں محنت کرتے ہیں۔ ان چند ذروں کی تلاش میں ڈھیروں ریت کے ذروں کو نکال کر رد کر کے الگ پھینکنا پڑتا ہے۔ تو کیا محمد رسول اللہ کا کلام اس سونے سے بھی کم قیمت ہے۔ کچھ حیا کرو، کچھ غور کرو، کچھ فکر کرو۔ یہ ایسا پاکیزہ ایسا عجیب کلام ہے جس کی کوئی نظیر پہلے تو پیدا نہیں ہوئی لیکن آئندہ بھی کبھی پیدا نہیں ہوگی۔ اور اگر تم نے ہاتھ سے یہ دولت کھو دی تو پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گی۔ اس لئے تقویٰ اختیار کرو، ایسے اصول معلوم کرو جیسے سائنس دانوں نے سونے کی پہچان کے اصول بنا رکھے ہیں۔ ان اصولوں کا اطلاق ہو تو پتہ لگ جائے گا کہ سونا کونسا ہے اور ریت کے ذرے کونسے ہیں۔ ہمارا تو یہی مسلک ہے۔ پس اس پہلو سے وہ حدیثیں جن میں ایسا ذکر ملتا ہے کہ ایک چھوٹی سی بات گی اور ساری عمر کی کمزوریاں غائب اور ہر قسم کے گناہ دھل گئے، تو پھر اگر ان کو اسی طرح مانا جائے ان کی ظاہری شکل میں تو پھر رمضان کی کیا ضرورت ہے۔ یعنی رمضان میں سے رمضان کا ہو تا ہوا گزرنے کی کیا ضرورت ہے۔ رمضان میں سے غیر کی طرح بھی گزر سکتے ہیں کسی روزے دار کو دودھ پلا دیا اور سارے رمضان کی نیکیاں ہاتھ آگئیں۔ پس ان حدیثوں پر غور کی ضرورت ہے اور میرے نزدیک اگر وہ قابل قبول ہیں یعنی اگر وہ سچی ہیں تو لازماً قابل قبول ہیں اور اگر قابل قبول ہیں تو ان کے اندر کوئی حکمت کی بات تلاش کرنی ہوگی۔

بعض دفعہ ایک غریب انسان کی احتیاج یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسند آتا ہے اور خاص طور پر اگر ایک نیک انسان خدا کی خاطر روزہ دار ہو اور اتنا غریب ہو کہ روزہ کھولنے کے لئے کچھ بھی اس کو توفیق نہ ہو۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ دودھ میں پانی ملا کر ہی پلا دو۔ یعنی وہ اتنا غریب ہے بے چارہ کہ یہ بھی توفیق نہیں کہ لمبی کچی لسی ہی پی لے تو اس وقت یہ ممکن ہے کہ یہ عقل کے خلاف بات نہیں رہتی۔ اس وقت ہو سکتا ہے دو طرح سے اس کا اثر ہو ایک تو یہ کہ خدا کے ایسے پاک بندے ایک غریب بندے کی احتیاج پوری کرنے کی جو نیکی ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بطور خاص پسند آتی ہے۔ اور گناہ اس طرح نہیں بخشے جاتے کہ اچانک بخشے گئے۔ اس طرح بخشے جاتے ہیں کہ ایسی نیکیاں کرنے والے کو نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ اس کا دل نیکیوں میں لگ جاتا ہے، اس کی زندگی کی راہیں بدل جاتی ہیں، اس میں ایک روحانی انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔

پس بظاہر ایک چھوٹی سی نیکی ہے مگر اس کے ساتھ جو فوائد وابستہ کر کے بتائے گئے ہیں وہ فوائد بعد میں آنے والے ایک فوائد کا سلسلہ ہیں جو حکمت پر مبنی ہے اور ایک نیکی سے دوسری نیکی پھوٹتی چلی جاتی ہے۔ دوسرا پہلو اس میں یہ ہے کہ اس غریب کی دعا غیر معمولی طاقت رکھتی ہے، پہنچنے والی دعا ہے۔ ایک ضرورت مند کی آپ ضرورت پوری کریں، ایک غریب اور بھوکے کو کھانا کھلائیں اس کے دل سے جو دعا نکلے گی اس کی بات ہی اور ہے، اس کی چھلانگ اور پہنچ ہی اور ہے اور اپنے امیر دوستوں کی دعوت کر دیں اور کھا کر وہ جزاکم اللہ کہہ کر واپس چلے جائیں اس جزاکم اللہ کو اس دعا سے کیا

نسبت ہے؟ یہ جزاکم اللہ تو "تھینک یو" بھی ہے۔ ہر قسم کے شکریہ بہت بہت۔ بہت مزہ آیا اس میں کوئی بھی حقیقت نہیں۔ مسلمانوں میں یہ دعا بن جاتی ہے لیکن پھیکی پھیکی دعا جو بھرے ہوئے پیٹ سے نکل رہی ہو کہاں وہ دعا، کہاں ایک بھوکے کی احتیاج دور ہونے پر اس کی دل کی گہرائی سے نکلی ہوئی دعا۔ تو رمضان میں اس قسم کی نیکیوں کی بھی تلاش کریں۔ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے ایسی حدیثوں کو اگر قبول کرنا ہے تو صرف اس شرط پر قابل قبول ہیں کہ محمدؐ رسول اللہ کی شان کے مطابق ان کے معنے تلاش کریں۔ اور قرآن کی عظمت کے مطابق ان کے معنے تلاش کریں، پھر ان کو قبول کریں۔ پھر ان کو اس وہم میں رد کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں کہ شاید یہ آنحضورؐ کا کلام نہ ہو۔

پس اس پہلو سے ایک اور نیکی جس کی طرف مَیں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ غریب کی ہمدردی ہے۔ روزہ کھلوانا ایک سمبل (Symble) ہے اس وقت۔ رمضان کے دنوں میں یہ نیکی ایک سمبل (Symble) اپنی ذات میں یہاں تک محدود نہیں رہتا اس کا تعلق احتیاج پوری کرنے سے ہے، دکھ درد دور کرنے سے ہے۔ اور کوئی شخص اگر کسی نیک روزے دار کا دکھ دور کرے تو وہ چاہے روزہ کھلوا کر ہو یا اور طریقے سے ہو، وہ ضرور اللہ کے ہاں خاص مرتبہ رکھے گا اور ایسا نیکی کرنے والا خاص جزا پائے گا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی انسانوں سے ہمدردی رمضان کا حصہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے متعلق آتا ہے کہ بہت سخی تھے، بے حد خرچ کرنے والے تھے مگر رمضان میں تو یوں لگتا تھا ہوائیں آندھی بن گئی ہیں۔ اس قدر تیزی پیدا ہو جاتی تھی آپ کے خرچ میں اور وہ صرف روزہ کھلوانے کی حد تک محدود نہیں تھی بلکہ روزہ کھلوانے کے متعلق مجھے تو کوئی ایسی روایت معلوم نہیں کہ خالصۃً صرف روزہ کھلوایا کرتے تھے۔ وہ بھی ایک خیرات کا حصہ تھا اور ہوتا ہوگا لیکن زیادہ تر غریبوں کی تلاش میں ان کی کھوج لگا کر ان پر خرچ کرنا اور کثرت کے ساتھ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنا یہ وہ نیکی تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی زندگی سے ثابت ہے، آپ کی سنت سے ثابت ہے۔ پس اس حدیث کا یہ ترجمہ کر لینا کہ چاہے لوگ بھوکے مر رہے ہوں کسی طرح کی ضرورتوں میں مصیبت زدہ پھنسے بیٹھے ہوں، اس طرف توجہ نہ کرو صرف انتظار کرو، جب سورج ڈوبے تو کسی کا روزہ کھلوا دو۔ اگر یہ ترجمہ کرتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی زندگی اس کو جھٹلا رہی ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس صادق القول کا فعل آپ کے قول کو جھٹلا رہا ہو کیونکہ آپ کے صادق القول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو کہتے تھے سو فیصدی اس پر عمل بھی کرتے تھے تو آپ کی سنت کے نقشے سے آپ کے کسی قول کا ٹکرانا ممکن ہی نہیں ہے۔ آپ کے متعلق تو ہم یہی دیکھتے ہیں کہ رمضان مبارک میں بڑی شدت اور تیزی کے ساتھ ہر نیکی میں آگے بڑھتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ غریب کی ہمدردی میں اور صدقہ و خیرات میں تو آپ کی کوئی مثال نظر نہیں آتی۔ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا صحابہ کے پاس لفظ ختم ہو جاتے تھے بیان کرتے ہوئے۔ کہتے بس یہ سمجھ لو کہ ہوائیں جھکڑ میں تبدیل ہو گئیں۔ پس اس پہلو سے اس حدیث کے مضمون کو بھی پیش نظر رکھیں۔ ان کو بھی تلاش کریں جو منہ سے مانگتے نہیں ہیں لیکن جن کی

پس صدقہ و خیرات میں کثرت سے آگے بڑھیں اور جس حد تک کسی کی توفیق ہو وہ اگر خود کسی غریب تک پہنچ سکتا ہے تو پہنچے ورنہ جماعت کی وساطت سے صدقہ و خیرات میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

ضرورت انتہا کو پہنچی ہوتی ہے۔ لیکن محض روزہ کھلنے کے وقت ان پر نظر نہ کریں۔ غریبوں نے روزہ رکھنا بھی تو ہوتا ہے اور بھی تو ضرورتیں پوری کرنی ہیں ان کے بچے بھی تو بھوکے ہوتے ہیں جو روزہ کی عمر میں پہنچے ہی نہیں ہوتے۔ پس صدقہ و خیرات میں کثرت سے آگے بڑھیں اور جس حد تک کسی کی توفیق ہو وہ اگر خود کسی غریب تک پہنچ سکتا ہے تو پہنچے ورنہ جماعت کی وساطت سے صدقہ و خیرات میں زیادہ سے زیادہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

جیسا کہ مَیں نے بیان کیا تھا رمضان مبارک ایک قسم کی عبادتوں کا معراج بن جاتا ہے۔ اس مضمون کو حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے یوں بیان فرمایا: ''اِنَّ لِکُلِّ شَیْءٍ بَاباً وَبَابُ الْعِبَادَۃِ الصِّیَامُ''۔ (جامع الصغیر)۔ ہر چیز کا ایک رستہ اور دروازہ ہوا کرتا ہے اور عبادت کا دروازہ رمضان ہے۔ اگر رمضان میں تم عبادتوں میں داخل نہ ہوئے تو پھر کبھی نہیں ہو گے۔

اس کے بہت سے معانی ہو سکتے ہیں لیکن ایک معنی جو عام فہم اور روزمرہ ہمارے مشاہدے میں ہے وہ یہ ہے کہ جس کو رمضان میں عبادت کی توفیق نہ ملے اسے سارا سال عبادت کی توفیق نہیں ملتی۔ پس یہ وقت ہے عبادت کرنے کا۔ یہ دروازہ کھلا ہے، اس دروازے سے داخل ہو گے تو پھر آسمان کا دروازہ کھلے گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ زمین کے دروازے تو بند رکھو اور اس رستے پر داخل ہو جاؤ جس کے آگے پھر آسمان کے دروازے لگے ہوئے ہیں۔ وہ بند ہوں یا کھلے ہوں پھر تمہیں اس سے کیا۔ پہلے اپنی زمین کے دروازے تو کھولو۔ پس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے پھر دروازوں کے حوالے سے ایک بات کی ہے اس کے مفہوم کو سمجھو اور پہلی بات کے ساتھ اس کا تعلق جوڑو۔ دروازے تو کھلتے ہیں، کن کے لئے؟ رمضان میں جن کے اپنے دروازے عبادت کے لئے کھل جاتے ہیں اور رمضان ان کے لئے کھلا دروازہ بنتا ہے۔ اب رمضان کو دروازہ کہنے میں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ کیوں رمضان میں بعض لوگ محروم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ دروازہ کھلتا بھی ہے اور بند بھی ہو جاتا ہے۔ اس کو رستہ تو نہیں فرمایا، دروازہ فرمایا ہے۔ فرمایا ہے عبادت کا دروازہ۔ مگر جس پر کھلے گا وہی توفیق پائے گا۔ اگر بند دروازے سے کوئی ٹکرا کر یا اسے کھٹکھٹا کر واپس چلا گیا تو اس سے کیا فائدہ۔

پس رمضان میں اپنی عبادت کی طرف توجہ کریں اور اپنے بچوں کی عبادت کی طرف، اپنے ہمسایوں کی عبادت کی طرف، اپنے گردوپیش میں عبادت کے مضمون کو بیان کریں اور عبادت ایک ایسی چیز ہے جس میں داخل ہو کر واپسی کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر عبادت میں ایک دفعہ آپ داخل ہو کر پھر باہر نکلنے کی کوشش کریں گے تو ساری عبادتیں رائیگاں جائیں گی بلکہ بعض اوقات پہلے سے بھی بدتر مقام تک پہنچ جائیں گے۔ عبادت کا پکڑ رہنا، عبادت پر صبر کرنا لازم ہے۔ اور اس پہلو سے ایک بہترین موقع ہے دنیا کی تربیت کا۔

دنیا بھر کی جماعتوں کو بڑے مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ در پیش ہے کہ بعض نوجوان جو نئی نسلوں کے پیدا ہونے والے ہیں، نئی نسلوں کی تربیت پانے والے ہیں ماحول کی کثافت اور گندگی سے متاثر ہو گئے ہیں، وہ عبادتیں چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اور اس ضمن میں صرف نوجوانوں کی بحث نہیں، بعض خواتین مجھے خط لکھ کر سب سے زیادہ درد یہ پیش کرتی ہیں کہ ہمارا خاوند ویسے ٹھیک ہے، سب کچھ ہے، ہمیں کوئی شکوہ نہیں مگر نماز نہیں پڑھتا۔ تو اللہ تعالیٰ ان بد نصیبوں کے نصیب جگا دے، ان کے مقدر روشن فرمائے۔ یہ عبادت تو ایک ایسی چیز ہے جس کے بغیر زندگی نہیں ہے۔ یہ تو روزمرہ کا سانس ہے، روزمرہ کا پانی ہے، اگر عبادت نصیب نہیں تو روحانی زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ پھر خواہ دنیا کے لحاظ سے اچھا ہو، کیسا ہی ہو، دنیا میں اسلام سے باہر بھی تو اچھے اچھے لوگ نظر آتے ہیں۔ ہر مذہب نہیں بلکہ لامذہب لوگوں میں بھی، بعض جگہ جہاں ملائیت زیادہ ہو وہاں لامذہب لوگوں میں زیادہ شرافت نظر آتی ہے بہ نسبت ملائیت سے متاثر لوگوں کے۔ مگر اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ صرف اتنا ہے کہ ایسے لوگوں سے لوگوں کو شر نہیں پہنچتا۔ وہ اسلام کا ایک پہلو اپنے اندر رکھتے ہیں لیکن خود امن میں نہیں آتے۔ خود امن میں آنا تو اسلام کے دوسرے پہلو سے تعلق رکھتا ہے۔ ﴿مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ﴾ کہ جو اللہ کے لئے صاف ستھرا ہو کر اس کے حضور سر جھکا دے تو اچھے لگتے ہیں یہ لوگ۔ دنیا کو ان سے کوئی شر نہیں پہنچتا لیکن بد نصیب ہیں کہ خود اس فیض سے محروم ہیں جو اسلام کے اعلیٰ معنے میں داخل ہے جن کا تعلق اللہ سے ہے اور اللہ کے حضور سر تسلیم خم کرنے سے ہے، اس کے سپرد ہو جانے سے ہے۔ اس پہلو سے عبادت کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔ پس رمضان مبارک میں اپنی، اپنے ماحول کی جہاں جہاں تک آپ کی رسائی ہو، اس پہلو سے تربیت کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو عبادتوں پر قائم فرمائے اور عبادتوں کا ذوق عطا فرمائے اور اس مہینے میں ایسی عادت پڑ جائے کہ پھر چھٹے نہیں۔

دیکھو بد لوگوں کو تو بعض دفعہ چند دن کی بدی سے عادت پڑ جاتی ہے۔ یہ جب ڈرگز (Drugs) کے متعلق ایک پروگرام آرہا تھا جس میں سکول کے بچوں سے پوچھا جارہا تھا کہ بتاؤ تم پر کیا گزری، تمہیں آخر کیا سوجھی کہ جانتے بوجھتے ہوئے اس کی بدیوں کو پہچانتے ہوئے تم نے ڈرگ اختیار کر لی اور اس کے عادی بن گئے۔ تو اکثر بچوں نے جو جواب دیا وہ یہی تھا کہ ہمیں نہیں پتہ تھا کہ ایک دفعہ استعمال کرنے سے ہی عادت پڑ جائے گی۔ ہمارے دوستوں نے جو بڑے تھے جو یہ کیا کرتے تھے ہمیں کہا پہلے چکھ کے تو دیکھو ذرا۔ تھوڑی سی ہے، کیا فرق پڑتا ہے اور دیکھا دیکھی اس عجوبے کے طور پر کہ دیکھیں کیا چیز ہے ایک دفعہ جب استعمال کی تو جب وہ اثر ختم ہوا تو دل میں ایک کرید سی لگ گئی کہ اور بھی دیکھیں کیا ہے اور پھر وہ چلتے چلتے ایک ایسی بھوک بن گئی جس سے انسان تلملانے لگتا ہے اور جب تک اس بھوک کا پیٹ نہ بھرے اس وقت تک اس کو چین نصیب نہیں ہوتا تو بدیوں میں بھی تو لوگ چند دن میں عادت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

> پس رمضان میں اپنی عبادت کی طرف توجہ کریں اور اپنے بچوں کی عبادت کی طرف، اپنے ہمسایوں کی عبادت کی طرف، اپنے گردوپیش میں عبادت کے مضمون کو بیان کریں۔

• نیکی کو اگر اس طرح آپ اختیار کریں کہ اس کا لطف حاصل کرنے لگیں پھر آپ کو ضرور عادت پڑے گی۔ پس عادت ڈالنی ہے تو اس کا دوسرا

قدم بھی اٹھائیں اور عبادت سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کریں اور لوگوں کو طریقے سمجھائیں کہ کس طرح عبادت میں لطف اٹھایا جاتا ہے۔ ایک دفعہ جب مَیں نے عبادات کے مضمون پر سلسلہ شروع کیا تھا تو ایک خاتون نے مجھے لکھا کہ میرے بچے کو یہ سن سن کر پوری بات سمجھ آتی بھی نہیں تھی لیکن نماز کی عادت پڑ گئی۔ چھوٹا سا معصوم بچہ اور ضرور میرے ساتھ کھڑا ہو جاتا تھا اور سجدے کرتا تھا۔ ایک دفعہ وہ سجدے میں کچھ بول رہا تھا۔ مَیں نے کہا کیا ہے۔ کہتا تم سے نہیں بات کر رہا، مَیں اللہ میاں سے بات کر رہا ہوں۔ اب دیکھو اس کو اس میں بھی لطف آتا تھا تو کیوں آپ عقل والے ہو کر، بڑے ہو کر، عبادت اس طرح ادا نہیں کرتے کہ اس سے لطف آنا شروع ہو جائے۔ اور یہ لطف بھی اللہ سے مانگنا ہو گا۔ پس اس مہینے عبادت پر قائم ہوں۔ اگر پہلے آپ کو لطف نہیں آتا اور صرف عادت ہے تو دعا مانگیں اور کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عبادت کا لطف عطا کرے۔ پھر اپنے گھر والوں کے لئے یہ کوشش کریں اور ان کے لئے بھی یہ دعا کریں کہ اے اللہ رمضان کے چند دن ہیں، گزر جائیں گے۔ بعد میں ٹکریں مارتے پھریں گے۔ وہ نیکیاں جو اب قریب آ گئی ہیں، جنت قریب آنے کا یہ بھی تو مطلب ہے کہ نیکیاں آسان ہو گئی ہیں، پہنچ گئی ہیں، ہاتھ بڑھاؤ تو نیکی ہاتھ آ سکتی ہے ایسے وقت میں ہمیں نیکیاں عطا کر دے اور ایسی عطا کر کہ پھر آ کر جانے کا نام نہ لیں۔ ایک دفعہ آئے تو ہماری ہو کر رہ جائے۔ اس پہلو سے نمازوں کو قائم کریں اور نمازوں کے لطف اٹھائیں اور اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے ماحول میں نماز کو قائم کریں کیونکہ سب سے زیادہ نحوست کسی قوم پر عبادت سے دوری ہے۔ مذہبی قوم کہلاتی ہو اور عبادت سے عاری ہو جائے تو کچھ بھی اس کا باقی نہیں رہتا۔ اور وہ قومیں جو عبادت پر قائم ہوں اور اس کے مزاج سے عاری ہوں، اس کے عرفان سے خالی ہوں، ان کی زندگی بھی ویران رہتی ہے، ان کو کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو مَیں جس عبادت کی طرف بلا رہا ہوں وہ وہ ہے جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی عبادت تھی جس سے سینے ہی آباد نہیں ہوتے بلکہ اس کے گردوپیش روشن ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ بن جاتے ہیں جن کے متعلق قرآن فرماتا ہے ﴿نُورُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ﴾ کہ ان کا نور ان کے سینوں سے باہر آ کر ان کے آگے آگے چلتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ہدایت کا موجب بنتا ہے۔ پس وہ تو سچی اور گہری عبادت سے حاصل ہو سکتا ہے ورنہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس زمانے ہی کے ذکر میں فرمایا کہ ﴿مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰى﴾۔ ایسی مساجد بھی ہوں گی اس زمانے میں جو بھری ہوئی ہوں گی لیکن ہدایت سے خالی اور ویران۔ پس اپنی عبادتوں کو ہدایت سے خالی اور ویران نہ بننے دیں بلکہ ہدایت سے پُر کریں۔ پھر ان سے وہ نور نکلے گا جو آپ کے ماحول کو روشن کرے گا، آپ کے گردوپیش کو روشن کرے گا، آپ کو ترقی کے نئے رستے دکھائے گا۔ آپ کے آگے آگے چلے گا اور اس کے فیض سے پھر

اس پہلو سے نمازوں کو قائم کریں اور نمازوں کے لطف اٹھائیں اور اٹھانے کی کوشش کریں اور اپنے ماحول میں نماز کو قائم کریں کیونکہ سب سے زیادہ نحوست کسی قوم پر عبادت سے دوری ہے۔ مذہبی قوم کہلاتی ہو اور عبادت سے عاری ہو جائے تو کچھ بھی اس کا باقی نہیں رہتا۔

آپ دنیا کو بھی حقیقی عبادت کا ذوق عطا کرنے کی اہلیت حاصل کرلیں گے۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ "جب رمضان سلامتی سے گزر جائے تو سمجھو کہ سارا سال سلامت ہے" (دارقطنی بحوالہ جامع الصغیر)۔

اب رمضان کے سلامتی سے گزر جانے کا مطلب یہ ہے کہ جو رخ رمضان نے اختیار کر لیا وہ قائم ہو گیا اور دائمی ہو گیا۔ جس طرح ایک بندوق کی نالی سے گولی نکلتی ہے تو جس طرف نالی کا رخ ہے پھر جب تک دوسرے عوامل اس کا رخ موڑ نہیں دیتے وہ اسی طرف چلتی رہتی ہے۔ اگر ہوا نہ ہو، کشش ثقل حائل نہ ہو، دوسری اور ایسی باتیں جو کسی حرکت کرنے والے کی حرکت میں حائل ہو جاتی ہیں وہ درپیش نہ ہوں تو ہمیشہ ہمیش کے لئے اسی رخ پر وہ گولی چلتی رہے گی۔ تو رمضان کا سلامتی سے گزر جانے کا مطلب ہے، ایک مہینہ کی تیس دنوں کی عبادتوں کی عادت، نیکی کی عادت اتنی پختہ ہو چکی ہو کہ رمضان سے نکل کر بھی قبلہ وہی رہے جس قبلے کی طرف تم رمضان میں روانہ تھے وہ رخ نہ بدلے۔ اور سارا سال سلامتی سے گزر گیا کا یہ مطلب ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ رمضان سے پیچھا چھڑاتے ہی ہر نیکی سے چھٹی کر جاؤ اور کہو چلو جی اب سال گزر گیا۔ سال گزرنے میں نصیحت یہ ہے کہ سلامتی میں کہتا ہی اس کو ہوں جس کے نتیجے میں سال بھر کی سلامتی نصیب ہو۔ مہینے کی سلامتی نہیں، ایک مہینہ سارے سال کی ضمانت لے کر آئے وہ رمضان ہے جس کو کہا جاسکتا ہے کہ سلامتی سے گزر گیا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا اور یہ بخاری کتاب الصوم سے حدیث لی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا: "جو روزہ دار جھوٹی بات اور غلط کام نہیں چھوڑتا اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے، چھوڑے نہ چھوڑے، جو مرضی کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اس نے میری خاطر کھانا چھوڑ دیا اور پانی پینا بند کر دیا۔ جو چھوڑنے والی باتیں ہیں وہ یہ ہیں حقیقت میں اور جو چھڑائی جا رہی ہیں وہ تو جائز باتیں ہیں، وہ تو عارضی طور پر بدباتوں کو چھڑانے کے لئے آپ کو ایک ورزش کروائی جا رہی ہے۔ تو عجیب بات ہے کہ لوگ وہ باتیں جو حلال ہیں اور جائز ہیں وہ تو چھوڑ دیتے ہیں روزوں میں اور جو حرام ہیں وہ نہیں چھوڑتے۔ اور بڑی بھاری تعداد ایسے بے وقوفوں کی ہے اور اگر آپ اپنے آپ کا جائزہ لیں تو اس بے وقوفی میں کسی نہ کسی حد تک تقریباً ہر انسان ہی مبتلا رہتا ہے۔ بڑے گناہ نہیں چھوٹے گناہ کرتا رہتا ہے، لغویات میں مصروف رہتا ہے۔

پس روزے رکھنے میں جو جائز چیزوں کو چھوڑنا ہے اس میں یہ سبق ہے کہ جائز چھوڑ رہے ہو خدا کا خوف کرو، ناجائز کی جرأت کیسے کرو گے۔ اللہ کی خاطر تم کہتے ہو کہ ہمیں ایسا پیار ہے خدا سے، اس کی خاطر حلال چیزیں چھوڑنے پر آمادہ بیٹھے ہیں اور حرام نہیں چھوڑ سکتے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے اس کے روزے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ کوئی اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔ پس خصوصیت سے جھوٹی بات سے پرہیز یہ ایک بہت ہی اہم اور عظیم نصیحت ہے۔ اگر وہ لوگ جن کو جھوٹ کی عادت ہے اور بسا **اوقات وہ جھوٹ بولتے ہیں ان کو پتہ بھی نہیں لگ رہا ہوتا کہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن کبھی کبھی یاد بھی آجاتا ہے کہ ہاں ہم جھوٹے ہیں۔** اگر خود وہ سوچیں تو پھر ان کے جھوٹ دور کرنے کی طرف توجہ

پیدا ہو۔ مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی دوسرا کہے تو نہ صرف یہ کہ مانتے نہیں بلکہ غصہ کرتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم جھوٹ نہیں بول رہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

ایک دفعہ ہمارے ہوسٹل میں ایک لڑکا ہوا کرتا تھا وہ جھوٹا مشہور تھا۔ اور اس سے مَیں نے بات کی تو کہتا ہے کہ ''خدادی قسم اے مَیں تے کدی وی جھوٹ نہیں بولیا''۔ کہ ''لوجی، لوجی'' بھی بہت کہنے کی عادت تھی کہ لو یہ کیا بات ہوئی۔ مَیں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں مَیں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اور وہ جھوٹ بول رہا تھا کیونکہ ہر وقت جھوٹ بولتا تھا۔ تو بعض لوگوں کو پتہ نہیں لگتا لیکن سب سے مہلک بیماری جھوٹ ہے۔ ہر نیکی کو کھا جاتی ہے۔ یہ وہ تیزاب ہے جس سے سونا بھی پگھل جاتا ہے۔ ''ایکوا ریجا'' اس تیزاب کو کہتے ہیں جس سے سونا بھی نہیں بچتا۔ تو یہ ہر نیکی کو کھانے والا تیزاب ہے، اس سے بچنے کی کوشش کریں اور اپنے گھروں کو خصوصیت سے سچائی کی آماجگاہ بنائیں۔ اپنی بیویوں پر، اپنے بچوں پر نظر رکھیں اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو بیوی کو چاہئے کہ وہ آپ پر نظر رکھے۔ بچے میری آواز سن رہے ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ آج کل احمدی بچوں کو بہت زیادہ شوق ہے اپنے بڑوں کی تربیت کرنے کا۔ وہ جو بات سن لیتے ہیں معصومیت سے اسے پلّے باندھ لیتے ہیں اور پھر بڑے کو کرتے دیکھتے ہیں کہتے ہیں دیکھو دیکھو ہم لکھ دیں گے حضرت صاحب کو کہ تم یہ کر رہے ہو۔ اور کئی ماں باپ مجھے لکھتے ہیں کہ ہمیں بڑا لطف آیا بات سن کر۔ ان کی نصیحتیں ان کو پیاری بھی لگتی ہیں اور ان کے دل پر اثر بھی کرتی ہیں۔ اگر محلے والا کوئی آ کے کہتا تو شاید اس پر مرنے مارنے پر یا لڑنے پر آمادہ ہو جاتے۔

پس بچوں کو مَیں کہہ رہا ہوں جو میرے مخاطب ہیں، میرے سامنے ٹیلی ویژن پر بیٹھے ہونگے وہ تیار ہو جائیں مربی بننے کے لئے، مگر گستاخی نہ کریں، ماں باپ آپ کے بڑے ہیں ان سے تن کر نہ بولنا، ادب اور پیار سے ان کو سمجھائیں تو انشاءاللہ آپ کی باتوں کا نیک اثر پڑے گا۔ یہ جو آپ نے محاورہ سن رکھا ہے کہ پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کٹ سکتا ہے۔ تو اے احمدی بچو! تم وہ پھول کی پتیاں ہو جن سے سخت جگر بھی کٹ سکتے ہیں۔ اگر پیار سے اللہ کی خاطر، ہمدردی سے، اپنے بڑوں کو نصیحت کرو گے تو دیکھنا انشاءاللہ ان کے دل پر اس کا کیسا گہرا اثر پڑے گا۔ تو تم بھی نگران ہو جاؤ اور اپنے گھروں میں جھوٹ کو داخل ہونے کی اجازت نہ دو اور جو داخل ہوئے ہیں ان کو دھکے دے کر باہر نکال دو۔

وہ جماعت جو جھوٹ سے پاک ہو جائے، اور اس زمانے میں جبکہ جھوٹ نے ساری انسانی زندگی پر قبضہ کر رکھا ہے، اس کی بقا کی آسمان ضمانت دے گا، خدا ضمانت دے گا۔ کوئی دنیا کی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کر سکے گی اگر آپ سچے ہیں۔ عقائد میں سچے ہیں، اعمال میں سچے ہونے کی کوشش کر رہے ہیں مگر روزمرہ کی زندگی میں جھوٹ کے زہر سے اپنے اعمال کو روز بروز ضائع کرتے چلے جاتے ہیں۔ کیونکہ جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے یہ تیزاب ہے جو نیکیاں کھاتا جاتا ہے اور پھر اس کے نتیجے میں ہمارے معاشرے میں بہت سخت تکلیفیں پھیلتی ہیں۔ جھوٹ کے نتیجے میں کئی

اس رمضان میں جھوٹ کے خلاف بھی جہاد کریں اور جھوٹ کے خلاف جہاد میں بڑی کثرت کے ساتھ دُعائیں کریں۔

طلاقیں ہوتی ہیں کئی گھر جہنم بنے رہتے ہیں اور روز مرہ کی جھوٹ کی عادت سے انسان اپنے باہر کے نقصان بھی کراتا ہے، تجارتوں میں بے برکتی پڑ جاتی ہے۔ جو شراکتیں ہیں وہ ناکام ہو کر ٹوٹ جاتی ہیں اور تلخیاں پیچھے چھوڑ جاتی ہیں۔ یہ تو بہت ہی خبیث چیز ہے۔ اس لئے اس رمضان میں جھوٹ کے خلاف بھی جہاد کریں اور جھوٹ کے خلاف جہاد میں بڑے کثرت کے ساتھ دعائیں کریں۔ چھوٹے بڑے سب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جھوٹ کی لعنت سے نجات بخشے۔

اور مَیں جو بار بار کہہ رہا ہوں اس کی وجہ ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض احمدی نیکیاں اختیار کرنے کے باوجود جھوٹ کو اس شدت سے نہیں چھوڑ رہے جیسا کہ ایک سخت نفرت کے رویے سے جھوٹ کر ترک کر کے باہر پھینک دینا چاہئے۔ اس طرح دلوں سے اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکا ہوا۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ان کو ضرورت پیش آتی ہے جھوٹ بول جاتے ہیں۔ یعنی روز مرہ نہیں بول رہے ہوتے اگر گواہی دینی ہے کہیں، کہیں اپنے مقصد کی بات ہو، کہیں کسی جرم سے، کسی سزا سے بچنا ہو، کہیں اسائلم ڈھونڈنا ہو، کہیں اور اس قسم کے معاملات ہوں جہاں روز مرہ ان کی زندگی کو فائدہ ہوگا تو پہلا خیال ہی ان کے دماغ میں جھوٹ کا آتا ہے کہ کس طرح جھوٹ بولیں کہ ہم اس مصیبت سے بچ جائیں اور فلاں فائدہ حاصل کرلیں۔ ایک انشورنس ہے اس کا ناجائز استعمال ہے۔ روز مرہ کی زندگی میں حکومت کچھ دلوا رہی ہے اور آپ اپنا کام کر رہے ہیں۔ اگر کر رہے ہیں تو پھر پکڑے جانے پر اس کے عواقب کے لئے بھی تیار رہیں۔ کیوں آپ کرتے ہیں؟ اگر تو اس یقین کے ساتھ کرتے ہیں کہ اگر ہم پکڑے گئے تو ہم مانیں گے اور اس سے بڑی بدی میں مبتلا نہیں ہونگے۔ اگر ایسا یقین ہو تو اکثر آپ میں سے کام ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لیکن جو کرتے ہیں اکثر ان کے دل میں اسی قسم کے چور چھپے ہوئے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اگر پکڑے گئے تو ہم نے یہ کہنا ہے ہم تو یوں کر رہے تھے اور یہ بات ہو رہی تھی یا غلط اطلاع دی گئی ہے جھوٹ ہے، جھوٹے الزام ہیں۔ پس ہر انسان کے جسم کے اندر اس کے دل میں اس کے رگ و پے میں جھوٹ کے چور چھپے ہوئے ہیں اور حقیقت میں اگر وہ غور کرے تو خدا سے بڑھ کر ان کی عبادت کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سخت مصیبت کا وقت آتا ہے تو بعض مشرک بھی میری طرف دوڑتے ہیں اور مجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ جب سمندر میں ہواؤں کے مزاج بدل جائیں اور لہریں کشتی کو اس طرح تھپیڑے دینے لگیں کہ کسی وقت بھی وہ غرق ہو سکتی ہو اس وقت مشرک بھی خدا کو پکارنے لگتا ہے۔ اس موحد کا کیا حال ہوگا جب وہ زندگی میں ادنیٰ سی مشکلات کا سامنا کر رہا ہو، جب اس کی کشتی کو معمولی ہچکولے لگ رہے ہوں اور وہ خدا کی طرف دماغ لے جانے کی بجائے کسی جھوٹ کی طرف مائل ہو رہا ہو تو اس جھوٹ کو خدا بنانے کے مترادف بات ہے اور بہت ہی مکروہ بات ہے۔ ساری عمر کی توحید کو یہ جھوٹ کھا جاتا ہے اور باطل کر دیتا ہے۔

پس جھوٹ سے بچنے کی پہچان یہ ہے کہ اپنے اعمال پر غور کریں اور یہ فیصلہ کرتے رہیں بار بار کہ اس عمل کے نتیجے میں اگر مَیں کبھی ایسے مقام پر پہنچوں جہاں مجھے کوئی خطرہ در پیش ہو تو آیا مَیں جھوٹ کا سہارا لئے بغیر سزا کو خوشی سے قبول کرتے ہوئے اپنی توحید کا سچے دل سے اقرار کر سکتا ہوں کہ نہیں۔ توحید کے ساتھ وفا دکھا سکتا ہوں کہ نہیں۔ اگر نہیں تو پھر اس کی زندگی میں خطرے کا الارم بج رہا ہے۔ ہر وقت وہ ان خطرات کا سامنا کر رہا ہے جو مشرک کو در پیش ہوتے ہیں۔

اس لئے جب کامل یقین اور سچائی کے ساتھ آپ اپنے نفس کا معائنہ کرتے ہیں اور پھر جھوٹ کو کرید کرید کر باہر نکال پھینکتے ہیں تو پھر توحید آپ کے دل میں جاگزیں ہوتی ہے اور پھر کسی جھوٹ کی ضرورت نہیں رہتی۔ پھر خدا آپ پر اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے اور اس طرح آپ کی حفاظت میں اور آپ کی پناہ میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ پھر ان باتوں کی ضرورت ہی کوئی نہیں رہتی۔ تب انسان کو پتہ لگتا ہے کہ امن کیا ہے، سلام کے کیا سچے معنی ہیں، اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا کیا ہوتا ہے۔ پس سلامتی سے جس مہینے میں سے گزرنے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بنیادی سلامتی ہے۔ توحید حاصل کرلیں اور اللہ کی پناہ میں آجائیں۔ اگر آپ کو یہ نصیب ہو تو یقین کریں کہ آپ کا مہینہ ہی سلامتی سے نہیں گزرا بلکہ سال سلامتی سے گزر گیا اور پھر ایک اور سلامتی کے مہینے میں داخل ہو جائے گا یعنی ساری زندگی آپ کی سلامتی میں گزر گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

رمضان المبارک
قبولیت دعا کے خاص ایام

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ، مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۷ ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ. اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فرماتا ہے،اے میرے رسول! جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے سوال کریں اور پوچھیں کہ ہمارا خدا کہاں ہے ۔ جیسے عاشق پوچھتا پھرتا ہے کہ میرا محبوب کہاں ہے تو تُو انہیں کہہ دے کہ تم گھبراؤ نہیں مَیں تو تمہارے بالکل قریب ہوں۔ یہاں ﴿عِبَادِيْ﴾ سے مراد عاشقانِ الٰہی ہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح عاشق ہر جگہ دوڑا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا معشوق کہاں ہے۔اسی طرح جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو تُو انہیں کہہ دے کہ گھبراؤ نہیں مَیں تمہارے قریب ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے عشاق کے دل توڑنا نہیں چاہتا۔

پھر فرماتا ہے میرے قریب ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾۔ جب کوئی شخص کامل تڑپ اور سوز وگداز کے ساتھ مجھ سے دعا کرتا ہے تو مَیں اُس کی دعا کو قبول کر لیتا ہوں۔ اور یہ ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ مَیں قریب ہوں۔ اگر مَیں بعید ہوتا تو مَیں اُس کی سجدے کی آہستہ آواز کو بھی کیسے سن سکتا۔ اور اگر مَیں بعید ہوتا تو اس کی گوشۂ تنہائی میں بیٹھے ہوئے ہاتھ اٹھا کر یا قیام کی صورت میں آہستہ آواز والی دعا کیسے سن لیتا۔ میرا اس دعا کا سن لینا بتاتا ہے کہ مَیں اُس کے قریب ہوں۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ یعنی پاس ہونا تو الگ رہا جو انسان کی رگِ جان ہے ہم اُس سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔اس کے معنے یہ ہوئے کہ وہ پاس ہی نہیں بلکہ انسان کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ پاس بیٹھنے والا صرف وہ آواز سنتا ہے جو منہ سے کہی جائے اور جو اندر بیٹھا ہو وہ، وہ بات سنتا ہے جو دل سے کہی جائے۔ گویا خدا تعالیٰ نے لفظ ﴿قَرِيْبٌ﴾ کی دوسری تشریح کر دی کہ قرب کا مفہوم یہ ہے کہ حبل الورید یعنی رگِ جان سے بھی مَیں زیادہ قریب ہوں اور مَیں ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ خواہ وہ زبان سے کی گئی ہو یا دل میں کوئی خواہش پیدا ہوئی ہو کیونکہ میرا اس سے تعلق ایسا قریب ہے کہ مَیں اس کے دل میں بیٹھا ہوا ہوں۔

بعض لوگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم نے تو بڑے اضطراب سے دعائیں کی تھیں مگر وہ قبول نہیں ہوئیں۔ پھر یہ آیت کس طرح درست ثابت ہوئی۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ بے شک ﴿اَلدَّاعِ﴾ کے ایک معنے ہر پکارنے والے کے بھی ہیں۔ مگر اس کے ایک معنے ایسے پکارنے والے کے بھی ہیں جس کا اوپر ذکر ہو رہا ہے۔ اور مراد یہ ہے کہ وہ بندے جو مجھ سے صرف میرا قرب اور وصال چاہتے ہیں، مَیں ان کی دعا کو سنتا ہوں اور انہیں اپنے قرب میں جگہ دیتا ہوں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ﴾ فرمایا ہے ۔ یعنی وہ میرے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اس میں روٹی کا کہیں ذکر نہیں، نوکری کا کہیں ذکر نہیں بلکہ صرف ﴿عَنِّيْ﴾ فرمایا ہے عَنِ الْخُبْزِ یا عَنِ الْوَظِيْفَةِ نہیں فرمایا۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کا قرب مانگے اور وہ اُسے نہ ملے اُسے تو بے شک اعتراض ہو سکتا ہے لیکن دوسروں کے لئے اس میں کوئی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

پھر اس آیت کی عبارت ایسی ہے کہ اس سے اضطراب اور گھبراہٹ کی طرف خاص طور پر اشارہ پایا جاتا ہے ۔ بعض مضامین الفاظ سے ظاہر نہیں ہوتے لیکن وہ عبارت میں پنہاں ہوتے ہیں اور یہی حالت یہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرے بندے میری طرف دوڑتے ہیں۔ ان کے اندر ایک اضطراب اور عشق پیدا ہوتا ہے اور وہ چلّاتے ہیں کہ ہمارا خدا کہاں ہے تو تُو ان سے کہہ دے کہ مَیں تمہاری طرح کے پکارنے والے کی پکار کو کبھی ردّ نہیں کرتا بلکہ اُسے ضرور سنتا اور قبول کرتا ہوں۔

ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں یہ مضمون ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾۔ یعنی وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی پوری کوشش کرتے ہیں ہمیں اپنی ذات ہی کی قسم ہے کہ ہم ضرور ان کو اپنے رستوں کی طرف آنے کی توفیق بخش دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مذہب اور علم کے آدمی کو اپنا رستہ دکھانے کے لئے تیار رہتا ہے۔ بشرطیکہ انسان اس کے لئے کوشش کرے اور اُس کی دعا کو وہ ضرور سن لیتا ہے۔ باقی دعاؤں کی قبولیت میں وہ انسانی مصالح کو بھی مدنظر رکھتا ہے ۔ بعض دفعہ انسان جو چیز مانگتا ہے خدا تعالیٰ کے علم میں وہ اس کے لئے مہلک ہوتی ہے۔ پھر بعض دفعہ ملازمت ایک ہوتی ہے اور اسے مانگنے والے دو ہوتے ہیں۔ اب ایک ملازمت دو کو تو نہیں مل سکتی، وہ لازماً ایک ہی کو ملے گی مگر وہ چیزیں جس کے بانٹنے کے باوجود اس میں کوئی کمی نہیں آسکتی وہ خدا تعالیٰ کی ذات ہے ۔ باقی

تمام اشیاء محدود ہیں۔ اگر ایک چیز کے دو مانگنے والے سامنے آجائیں تو وہ لازماً زیادہ حقدار کو دی جائے گی یا اگر وہ مضر ہو تو گو اس کا کوئی حقدار نہ ہو مگر پھر بھی وہ اپنے مومن بندہ کو نہیں دے گا کیونکہ وہ دوست سے دشمنی کیونکر کر سکتا ہے۔ اور کیسے ممکن ہے کہ جس چیز کے متعلق وہ جانتا ہے کہ آگ ہے وہ اپنے دوست کو دے دے۔ غرض سب دعاؤں کی قبولیت میں روکیں ہوتی ہیں مگر ایک دعا ہے جس کے قبول ہونے میں کوئی روک نہیں اور جس کے لینے میں کوئی برائی نہیں۔ دنیا کی ہر چیز میں برائی ہو سکتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ ﴿وَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴾ بعض نماز پڑھنے والوں کے لئے بھی ہلاکت ہے مگر خدا تعالیٰ کو مانگنے میں کوئی وَیل نہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا تعالیٰ کسی سے اس لئے نہ ملے کہ وہ ہلاکت میں نہ پڑے یا اس لئے نہ ملے کہ خدا تعالیٰ کے وجود میں کمی نہ آجائے۔ جس طرح ہوا ہر ایک کے ناک میں جاتی ہے مگر اس میں کمی نہیں ہوتی اسی طرح خدا تعالیٰ ہر بندہ کو مل سکتا ہے اور پھر بھی اس میں کمی نہیں ہوتی۔ سورج کی شعاعوں سے سب مخلوق فائدہ اٹھاتی ہے مگر ان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ چاند کی شعاعوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ تم چاند کی روشنی میں گھنٹوں بیٹھ کر لطف اٹھاؤ مگر اس کا نور پھر بھی اتنے کا اتنا ہی رہے گا۔ یہی حال خدا تعالیٰ کا ہے بلکہ خدا تعالیٰ تو ان سے بھی کامل ہے۔ ان چیزوں میں بھی ممکن ہے کوئی خفیف سی کمی ہو جاتی ہو مگر خدا تعالیٰ میں اتنی بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے وہ اپنے بندوں سے کہتا ہے کہ تم میری طرف آؤ۔ پھر تم دیکھو گے کہ تم کس طرح تیزی سے قدم مارتے ہوئے اس راستہ پر چل پڑو گے جس سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور باوجودیکہ وہ غیر مرئی ہے تم اُس کو پالو گے اور اس کا وصال حاصل کر لو گے۔ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی روحانی ترقی اور بندوں اور خدا کے باہمی اتصال کے لئے تین تغیرات کا ذکر فرمایا ہے جن کے بغیر کوئی انسان خدا تعالیٰ تک پہنچنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

سب سے پہلا تغیر جو کسی انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ سے ملوں اور اس کا قرب حاصل کروں۔ مگر ظاہر ہے کہ صرف خواہش کا پیدا ہونا اسے خدا تعالیٰ کے دربار تک نہیں پہنچا سکتا بلکہ ضروری ہوتا ہے کہ اسے کوئی ایسا ہادی اور رہنما میسر آئے جو اسے اس مقصد میں کامیابی کا طریق بتائے۔ اور اس کی مشکلات کو دور کرے۔ اسلام اس فطری تقاضا کی اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ بے شک ان لوگوں کے دلوں میں یہ خواہش تو پیدا ہو گئی ہے کہ انہیں خدا ملنا چاہئے لیکن اب دوسرا تغیر ان میں یہ بھی پیدا ہونا چاہئے کہ وہ تجھ سے پوچھیں۔ یعنی ہدایت پانے اور خدا تعالیٰ کو تلاش کرنے کے لئے انہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی طرف جانا چاہئے۔ اور آپؐ سے اپنے محبوب حقیقی کا پتہ دریافت کرنا چاہئے۔ جس طرح بیمار کی تندرستی کے لئے ایک تو اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ سمجھ لے کہ وہ بیمار ہے۔ اور دوسرے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اس ڈاکٹر کے پاس جائے جو اعلیٰ درجہ کا تجربہ کار ہو۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کو پانے کے لئے بھی ضروری ہے کہ نہ صرف خدا تعالیٰ کو پانے کی سچی خواہش انسان کے دل میں پیدا ہو بلکہ وہ اس خواہش کے حصول کے لئے محمد رسول اللہ ﷺ کی اقتداء اختیار کرلے جو انسان کو خدا تعالیٰ تک پہنچانے والے ہیں۔

پھر تیسری بات جو قرب الٰہی کے لئے ضروری ہے اور جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا سوال ﴿عَنِّي﴾ ہو۔ یعنی ان کی غرض محض خدا تعالیٰ کو پانا ہو۔ لوگ کئی اغراض کے ماتحت مذہب میں داخل ہوتے ہیں۔ بعض لوگ محض ایک جماعت میں منسلک ہونے کے لئے داخل ہوتے ہیں، بعض اخلاق فاضلہ کے حصول کے لئے داخل ہوتے ہیں، بعض معاشرت یا تمدن کے خیال سے داخل ہوتے ہیں۔ مگر فرمایا ان کا سچے مذہب میں داخل ہونا محض خدا تعالیٰ کے وصال اور اس کے قرب کے حصول کے لئے ہو۔ کوئی اور خواہش اس کے پیچھے کام نہ کر رہی ہو۔ ہاں اگر دوسرے فوائد ضمنی طور پر حاصل ہو جائیں تو اَور بات ہے۔ لیکن اصل غرض محض خدا تعالیٰ کا حصول ہونا چاہئے۔

پھر عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب 'اِذَا' کے بعد 'ف' آتی ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ پہلے کام کے نتیجہ میں فلاں بات پیدا ہوئی۔ اس جگہ بھی ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ کے یہ معنے ہیں کہ جب یہ تین باتیں جمع ہو جائیں یعنی سوال کرنے والے سوال کریں کہ ہمیں خدا تعالیٰ کی ضرورت ہے۔ پھر تجھ سے سوال کریں، فلاسفروں اور سائنسدانوں سے سوال نہ کریں، عیسیٰؑ یا موسیٰؑ سے سوال نہ کریں بلکہ تیرے پاس آئیں، قرآن کے پاس آئیں یا تیرے خلفاء کے پاس آئیں اور پھر وہ میری ذات کے متعلق سوال کریں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مَیں ان کے قریب ہو جاتا ہوں اور انہیں اپنا چہرہ دکھا دیتا ہوں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سورۃ 'قٓ' میں جو کہ مکی صورت ہے خدا تعالیٰ یہ فرما چکا تھا کہ ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ (ق آیت ۱۷) ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں تو پھر سورۃ بقرہ میں جو مدنی سورۃ ہے یہ فرمانے کی کیا ضرورت تھی کہ جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے سوال کریں تو تُو ان کو یہ جواب دے دے کہ مَیں قریب ہوں۔ جب مکی آیت کے ذریعہ انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ خدا تعالیٰ بہت ہی قریب ہے تو پھر یہ سوال ہی کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس آیت کے نازل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اور اگر کوئی سوال کرتا بھی تو آنحضرت ﷺ اسے یہ فرما سکتے تھے کہ خدا تعالیٰ تو بتا چکا ہے کہ ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ لیکن قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہے اور

خدا تعالیٰ کا کلام بلا ضرورت نہیں ہوا کرتا۔ پس معلوم ہوا کہ یہاں خدا تعالیٰ کا سوال بیان کرنا اور پھر اس کا جواب دینا کوئی اور حکمت رکھتا ہے۔ اور یہاں جو ﴿قَرِيْبٌ﴾ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے وہ قرب اور بُعد مراد نہیں جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾۔ اگر یہاں بھی یہی مراد ہوتی تو پھر یہ کیوں فرماتا کہ جب لوگ تجھ سے میرے متعلق سوال کریں تو یہ جواب دیجیو۔ پس معلوم ہوا کہ اس کے جواب میں جو قریب کہا گیا ہے وہ بھی کوئی اور معنے رکھتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان دونوں آیتوں میں خدا تعالیٰ نے ایک عجیب فرق رکھا ہے اور وہ یہ کہ قرب اور بُعد ہمیشہ نسبت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک چیز ہمارے قریب ہوتی ہے مگر وہی دوسرے سے بعید ہوتی ہے۔ پس قریب اور بعید ایک نسبتی چیز ہے۔ جب ہم ایک چیز کو قریب کہتے ہیں تو ایک نسبت سے کہتے ہیں حالانکہ دوسری نسبت سے وہی چیز بعید ترین ہو سکتی ہے۔ سورۃ 'ق' میں جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾ کہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم اس کے دل میں جو وسوسہ ہوتا ہے اس کو بھی جانتے ہیں اور ہم اس کی رگِ جان سے بھی قریب تر ہیں۔ تو اس میں ﴿اِلَيْهِ﴾ کی نسبت سے ﴿اَقْرَبُ﴾ فرمایا ہے۔ لیکن آیت ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ میں قریب کا لفظ کسی نسبت سے نہیں فرمایا بلکہ بلا نسبت فرمایا ہے۔ اور اس کی کوئی حد بندی نہیں کی۔ اس عدم حد بندی میں ایک لطیف نکتہ ہے اور وہ یہ کہ انسان جو اپنی ضرورت خدا تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہے وہ مختلف اوقات میں مختلف اشیاء کے متعلق ہوتی ہے۔ کبھی تو وہ انسانوں کے متعلق ہوتی ہے اور کبھی حیوانوں کے متعلق۔ کبھی جانداروں کے متعلق ہوتی ہے اور کبھی بے جانوں کے متعلق۔ کبھی خدا تعالیٰ کے متعلق ہوتی ہے اور کبھی ملائکہ کے متعلق۔ کبھی اس دنیا کے متعلق ہوتی ہے اور کبھی اگلے جہان کے متعلق۔ کبھی اس زمین پر رہنے والی چیزوں کے متعلق ہوتی ہے اور کبھی آسمان کی چیزوں کے متعلق۔ غرض انسان کی مختلف احتیاجیں ہیں اور ایسی وسیع ہیں کہ جن کی کوئی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ لیکن انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جب اسے کسی چیز کی طلب ہوتی ہے تو اس کے حاصل کرنے کے متعلق وہ کوئی ایسا ذریعہ تلاش کرتا ہے جو قریب ہو۔ پھر قریب کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ بھی قریب ہے کہ کوئی ذریعہ جلدی سے میسر آ جائے۔ چنانچہ ہر انسان اپنا مدعا حاصل کرنے کے لئے جو ذریعہ قریب دیکھتا ہے اس کو لے لیتا ہے اور بعید کو چھوڑ دیتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ قریب ایک اور رنگ میں بھی ہوتا ہے یعنی وہ ذریعہ جو مدعا اور منزلِ مقصود کے قریب تر پہنچا دے۔ انسان اس ذریعہ کو اختیار کرتا ہے اور دوسروں کو چھوڑ دیتا ہے۔ غرض بہت سے قرب ہیں جن کا کسی چیز میں پایا جانا ہر انسان دیکھتا ہے اور جب وہ سارے قرب کسی میں پا لیتا ہے تو اس کو اپنے مدعا کے حصول کے لئے چن لیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ کہ انسان اپنے مختلف مقاصد کے لئے کوشش کرتا ہے اور ان کے لئے دیکھتا ہے کہ کون سا ذریعہ اختیار کروں جس سے جلد کامیاب ہو جاؤں۔ جب انسان ذرائع کو سوچتے سوچتے یہاں تک پہنچے کہ مَیں دعا کروں تو اس کو کہہ دو کہ اللہ قریب ہے۔ قَرِيْبٌ اِلَيْهِ نہیں فرمایا۔ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نہ صرف اس انسان کے قریب ہے بلکہ ہر ایک چیز کے قریب ہے اور وہ مدعا حاصل کرنے کا سب سے قریب ترین ذریعہ ہے۔ یوں قریب ہونا اور بات ہے لیکن جس مقصد کو حاصل کرنا ہو اس کے قریب کر دینا اور بات ہے۔ غرض خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں تمہارے بھی قریب ہوں اور وہ مقصد جسے تم حاصل کرنا چاہتے ہو اس کے بھی قریب ہوں۔ گویا اس آیت میں قربِ مکان کا ذکر نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ حصولِ مدعا کے لئے جتنے قربوں کی ضرورت ہے وہ سب خدا تعالیٰ میں موجود ہیں۔ مثلاً ایک شخص ولایت میں بیٹھا ہوا روپیہ کا محتاج ہے وہ وہاں سے ہمیں مدد کے لئے لکھتا ہے۔ اگر ہم اسے روپیہ بھیجیں تو کئی دنوں کے بعد اسے ملے گا۔ لیکن اگر ہم اس کے لئے دعا کریں تو ممکن ہے کہ ادھر ہمارے منہ سے اس کے لئے دعا نکلے اور ادھر اللہ تعالیٰ اس کا کوئی انتظام کر دے۔ تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں قریب ہوں۔ اگر کوئی مدد حاصل کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے کہو۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے لئے نہ ہاتھ ہلانے کی ضرورت ہے نہ پاؤں کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَیں قریب ہوں۔ پھر وہ انسان ہی کے قریب نہیں بلکہ جس مدعا اور مقصد کو حاصل کرنا ہو اس کے بھی قریب ہے۔ ادھر انسان یہ کہتا ہے کہ فلاں چیز مجھے مل جائے اور ادھر وہ چیز خواہ لاکھوں میل کے فاصلہ پر ہو خدا تعالیٰ اس پر اسی وقت قبضہ کر لیتا ہے کہ یہ ہمارے فلاں بندہ کے لئے ہے۔ کیونکہ جس طرح خدا تعالیٰ اس بندہ کے قریب ہے اسی طرح اس چیز کے بھی قریب ہے۔ غرض کامیابی کے حصول کے لئے یہ ذریعہ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مفید ہے۔

پھر ﴿اِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾ کہہ کر ایک اور لطیف مضمون کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور وہ یہ کہ اگر مَیں تمہیں نظر نہیں آتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ مَیں تم سے دور ہوں۔ مَیں تو تمہارے بالکل قریب ہوں اور اسی وجہ سے تمہیں نظر نہیں آتا۔ کیونکہ صرف وہی چیز تمہیں نظر نہیں آتی جو زیادہ دور ہو۔ بلکہ وہ چیز بھی نظر نہیں آتی جو زیادہ قریب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے اندر کی آواز کو نہیں سن سکتا۔ کانشنس اور ضمیر کی آواز آتی ہے مگر کان اسے نہیں سن سکتے۔ اس لئے کہ آواز بھی دور کی سنائی دیتی ہے۔ جب ہم کوئی آواز سنتے ہیں تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ یہ آواز باہر سے ہو کر آئی ہے کیونکہ کان کا پردہ قدرتی طور پر اس طرح بنایا گیا ہے کہ ہوا کا زور کان کے پردہ پر پڑتا ہے تو اس سے ایک

حرکت پیدا ہوتی ہے ، ارتعاش کی لہریں یعنی وائبریشنز (Vibrations) پیدا ہوتی ہیں اور یہ وائبریشنز دماغ میں جاتی ہیں اور دماغ ان کو الفاظ میں بدل ڈالتا ہے۔ یہی وائبریشن ہیں جو ریڈیو کے والوز میں پڑتی ہیں اور ریڈیو ان کو الفاظ میں بدل ڈالتا ہے۔ انسانی بناوٹ میں ریڈیو کان ہے اور اعصاب دماغی والوز ہیں۔ ان کے ذریعہ جو حرکات دماغ میں منتقل ہوتی ہیں وہ وہاں سے آواز بن کر سنائی دیتی ہیں۔ پس آواز کے معنے ہی باہر والی چیز کے ہوتے ہیں۔ جب آواز آتی ہے تو اس کے یہی معنے ہوتے ہیں کہ یہ باہر سے آئی ہے کیونکہ آواز آہی باہر سے سکتی ہے اندرونی آواز جو سنائی دیتی ہے مثلاً پیٹ میں گُڑگُڑ کی آواز آتی ہے تو دراصل اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وائبریشنز باہر اثر ڈالتی ہیں اور ہم وہ آواز سن لیتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ جو اندر کی آواز ہوتی ہے اسے تم نہیں سن سکتے کیونکہ وہ تمہارے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ غرض جس طرح تم بہت بعید کی چیز کو نہیں دیکھ سکتے اور بہت قریب کی چیز کو بھی نہیں دیکھ سکتے اسی طرح تم بعید کی آواز کو بھی نہیں سن سکتے اور قریب کی آواز کو بھی نہیں سن سکتے۔ جن لوگوں کو اس کا علم نہیں وہ اس پر تعجب کریں تو کریں ورنہ یہ سب کچھ حرکات پر مبنی ہوتا ہے۔ جو کچھ تم سنتے ہو وہ بھی حرکات ہیں جن کو کان آواز میں بدل ڈالتے ہیں اور جو کچھ تم دیکھتے ہو وہ بھی حرکات ہیں جن کو آنکھیں شکل میں تبدیل کر ڈالتی ہیں۔ جو چیز تمہارے سامنے گڑی ہوئی ہے وہ تصویر نہیں بلکہ وہ فیچرز (Features) یعنی نقش ہوتے ہیں جو آنکھوں کے ذریعہ دماغ میں جاتے ہیں اور وہ انہیں تصویروں میں بدل ڈالتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ریڈیو سیٹ کے ذریعہ تصویریں بھی باہر جانے لگ پڑی ہیں۔ ان حرکات کے متعلق قاعدہ ہے کہ تمام حرکات خواہ وہ کان کی ہوں یا آنکھ کی، ایک حدبندی کے اندر ہوتی ہیں یعنی ایک درجہ ان کا اعلیٰ ہوتا ہے اور ایک ادنیٰ ہوتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان جو چیز ہوتی ہے اسے آنکھ دیکھ سکتی ہے اور جو چیز اس حدبندی سے دور ہو اسے آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اور جو اس حدبندی سے نیچے ہو اس کو بھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اسی طرح جو آواز اس حدبندی کے اندر ہوگی اسے کان سن لے گا اور جو آواز اس حدبندی سے دور ہوگی اسے کان نہیں سن سکے گا۔ اور جو آواز اس حدبندی سے نیچے ہوگی اسے بھی کان نہیں سن سکے گا۔

جَوّ میں بہت سی آوازیں پیدا ہوتی رہتی ہیں جیسے بادلوں کے آپس میں ٹکرانے کی آواز یا اجرام فلکی کے آپس میں ٹکرانے کی آواز۔ لیکن وہ اتنی شدید ہوتی ہے کہ ہم ان کی شدت کی وجہ سے انہیں سن نہیں سکتے۔ جس طرح کان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ ایسی آواز سن سکے جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ یا وہ ایسی آواز سن سکے جو اس کی طاقت سے کم ہو۔ اسی طرح جو نظارہ آنکھ کی طاقت سے زیادہ ہو وہ آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اور جو نظارہ اس کی طاقت سے کم ہو وہ بھی نہیں دیکھ سکتی۔ پس ﴿اِنِّي قَرِيْبٌ﴾ کہہ کر اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مجھ کو نہ دیکھنے کی یہ وجہ نہیں کہ مَیں تم سے دور ہوں۔ مَیں تم سے دور نہیں بلکہ تمہارے اتنا قریب ہوں کہ تم مجھے زیادہ قریب ہونے کی وجہ سے دیکھ بھی نہیں سکتے۔ اور نہ تم میری آواز سن سکتے ہو۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہی نہیں تو پھر ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَاِنِّي قَرِيْبٌ﴾ کہنے کا کیا مطلب ہوا؟ کیونکہ انسان پوچھتا تو اس کے متعلق ہے جو اسے نظر آتا ہو۔ اس کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ کبھی سوال مبہم بھی ہوتا ہے۔ جیسے رات کو کوئی شخص سفر پر جا رہا ہو اور اسے خطرہ محسوس ہو تو وہ آواز دیتا ہے کہ کوئی ہے؟ اب اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ اسے کوئی انسان نظر آ رہا ہوتا ہے بلکہ وہ اس خیال سے آواز دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص وہاں ہو تو آئے اور اس کی مدد کرے۔ اور جنگل میں تنہائی اور اندھیرے کی وجہ سے جو گھبراہٹ اُس پر طاری ہے وہ دُور ہو جائے۔ اسی طرح اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب دنیا میں انسان تنہائی محسوس کرے اور سمجھے کہ مجھے کسی مدد کی ضرورت ہے اور خدا تعالیٰ جو غیر مرئی ہے اس کے متعلق وہ کہے کہ اگر کوئی خدا ہے تو آئے اور میری مدد کرے تو خدا تعالیٰ کہتا ہے تم میرے اس بندے کو بتا دو کہ مَیں موجود ہوں اور پھر زیادہ دُور بھی نہیں بلکہ مَیں تمہارے قریب ہی ہوں۔ دنیا میں پاس رہنے والا شخص بھی بعض اوقات مدد نہیں کرتا۔ بعض دفعہ تو وہ مدد کا ارادہ ہی نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ مرتا ہے تو مرے مجھے اس کی مدد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور بعض اوقات وہ اپنے اندر زیادتی کرنے والے کے خلاف مدد کرنے کی طاقت نہیں پاتا۔ جیسے کوئی شیر گاؤں میں آجائے اور کسی پر حملہ آور ہو تو دوسرے لوگ بجائے اس کی مدد کرنے کے بھاگ جاتے ہیں۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوتا بلکہ اگر کوئی بندہ گھبرا کر آواز دے اور کہے کہ کوئی ہے؟ تو وہاں خدا موجود ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ میرے بندے نے اگرچہ مبہم طور پر آواز دی ہے کہ شاید کوئی موجود ہو تو وہ بول پڑے۔ لیکن مَیں اس مبہم پکار کو بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے بلا رہا ہے۔ مَیں بھول جاتا ہوں کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے خیالی طور پر کہہ رہا ہے۔ مَیں اس وقت اگر مگر کو چھوڑ دیتا ہوں اور فوراً اُس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتا ہوں۔ اس لئے اگر کوئی میرے متعلق سوال کرے تو اُسے بتا دو کہ میں قریب ہی ہوں، دور نہیں۔ بے شک دنیا میں بعض دفعہ کوئی دوسرا شخص قریب بھی ہوتا ہے تو پھر بھی وہ مدد کرنے کا ارادہ نہیں کرتا۔ یا اس کی مدد کی طاقت نہیں رکھتا لیکن مَیں تو یہ ارادہ کئے بیٹھا ہوں کہ اس کی مدد کروں گا۔ اور پھر میرے اندر اس کی مدد کرنے کی طاقت بھی ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ صرف مسلمانوں ہی کی دعائیں نہیں سنتا بلکہ خواہ کوئی ہندو ہو یا عیسائی، سکھ ہو یا آریہ، اگر وہ خدا تعالیٰ کے حضور سچے دل سے گڑگڑائے اور اپنی حالت زار پیش کر کے اس کی مدد چاہے تو خدا تعالیٰ اُس کی دعا کو سنتا اور اُسے قبول کرتا ہے۔ بیشک وہ ایک سچے مسلمان کی

دعائیں دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ قبول کرتا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ اس نے اپنی رحمت کا دروازہ دنیا کی باقی قوموں اور افراد کے لئے بند کر رکھا ہے۔ بلکہ ہر شخص جو اس کے دروازہ پر جاتا ہے اور اس کے حضور گر جاتا ہے خدا تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اور اُس کی حاجات کو پورا فرماتا ہے۔ وہ واضح الفاظ میں فرماتا ہے کہ ﴿اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾۔ جب کوئی پکارنے والا اپنی مدد کے لئے مجھے آواز دیتا ہے تو مَیں اس کی پکار کا جواب ضرور دیتا ہوں اور اسے اپنی بارگاہ سے کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں کرتا۔

پھر فرماتا ہے ﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ﴾ جب میں تمہاری باتیں سنتا ہوں اور تمہاری دعائیں قبول کرتا ہوں تو تمہیں بھی تو ایسا بن جانا چاہئے کہ تمہاری دعائیں قبول ہوں۔ یہ مت خیال کرو کہ مَیں ہر ایک دعا کو سنتا ہوں۔ میرے احکام کے خلاف جو دعائیں ہونگی یا میرے مقرر کردہ فرائض کے خلاف ہونگی یا اخلاقی نظام کے خلاف ہونگی، مَیں انہیں کیسے سن سکتا ہوں۔ کیا مَیں انہیں قبول کر کے اپنے رسول کو ہلاک کر دوں؟ یا کیا مَیں انہیں قبول کر کے اخلاقی نظام کو توڑ ڈالوں؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری دعائیں سنی جائیں تو چاہئے کہ تمہاری دعا میرے نظام کے خلاف نہ ہو۔ تمہاری دعا دین کے خلاف نہ ہو۔ تمہاری دعا اخلاقی نظام کے خلاف نہ ہو۔

کہتے ہیں ایک عرب حج کے لئے گیا تو وہ خانہ کعبہ میں کھڑے ہو کر ایک دعا کر رہا تھا اور وہ ایسی گندی تھی کہ اسے سن کر پولیس نے اسے قید کر لیا۔ وہ دعا یہ کر رہا تھا کہ اے خدا! تو ایسا کر کہ میری محبوبہ کا خاوند اس سے ناراض ہو جائے اور وہ مجھے مل جائے گویا نعوذ باللہ خدا تعالیٰ بھی اس کی بدکاری میں شریک ہو جائے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک چور نے بیان کیا کہ میں جب سینڈھ لگانے لگتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں تا کہ چوری سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کر لوں اور مجھے اس کام میں کامیابی حاصل ہو۔ اخبارات میں عموماً اشتہارات چھپتے رہتے ہیں کہ ایسے تعویذ ہیں جن کے پاس رکھنے سے تم جس عورت کو چاہو بلا سکتے ہو۔ اس تعویذ کے اثر سے وہ عورت خود بخود تمہارے پاس آ جائے گی۔ اور پھر کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ ہے اسے خدا تعالیٰ کا کلام آتا ہے، اُس نے یہ تعویذ تیار کئے ہیں۔ یہ دین کے ساتھ تمسخر ہے۔ خدا تعالیٰ بدکاریوں میں کبھی شریک نہیں ہوتا۔ کہنے والے بے شک ایسا کہتے ہیں مگر یہ غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾۔ اگر مَیں نے کہا ہے کہ مَیں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ مَیں ہر پکارنے والے کی پکار کو سن لیتا ہوں۔ جس پکار کو مَیں سنتا ہوں اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اول مَیں اس کی پکار کو سنتا ہوں جسے مجھ پر یقین ہو، مجھ پر بدظنی نہ ہو۔ اگر دعا کرنے والے کو میری طاقتوں اور قوتوں پر یقین ہی نہیں تو مَیں اس پکار کو کیوں سنوں۔

پس قبولیت دعا کے لئے دو شرطیں ہیں۔ جس دعا میں یہ دو شرطیں پائی جائیں گی وہی قبول ہو گی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ﴿الدَّاعِ﴾ فرمایا ہے جس کے معنے ہیں ایک خاص دعا کرنے والا اور اس کے آگے وہ شرائط بتا دیں جو ﴿الدَّاعِ﴾ میں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ وہ میری سنے اور مجھ پر یقین رکھے۔ یعنی وہ دعا میرے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ہو، سنت کے مطابق ہو۔ اگر کوئی شخص ایسی دعائیں کرے گا تو مَیں بھی اس کی دعاؤں کو سنوں گا۔ لیکن اگر کوئی کہے کہ اے اللہ! میرا فلاں عزیز مر گیا ہے تُو اسے زندہ کر دے تو یہ دعا قرآن کے خلاف ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیم کے خلاف ہے۔ جب اس نے قرآن کی ہی نہیں مانی، محمد رسول اللہ ﷺ کی نہیں مانی تو خدا اُس کی بات کیوں مان لے۔ پس ﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ تمہیں چاہئے کہ تم میری باتیں مانو اور مجھ پر یقین رکھو۔ اگر تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے تو مَیں تمہاری دعا کیسے سن سکتا ہوں؟ پس قبولیت دعا کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اوّل **﴿فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ﴾ تم میری باتیں مانو۔ (۲)** ﴿وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ﴾ اور مجھ پر یقین رکھو۔ جو لوگ ان شرائط کو پورا نہیں کرتے وہ دیندار نہیں۔ وہ میرے احکام پر نہیں چلتے اس لئے مَیں بھی یہ وعدہ نہیں کرتا کہ مَیں اُن کی ہر دعا سنوں گا۔ بے شک مَیں ان کی دعاؤں کو بھی سنتا ہوں مگر اس قانون کے ماتحت ان کی ہر دعا کو نہیں سنتا۔ لیکن جو شخص اس قانون پر چلتا ہے اور پھر دعائیں بھی کرتا ہے مَیں اس کی ہر دعا کو سنتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ بازار میں چند **بنئے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ کیا کوئی ایک پاؤ تل کھا سکتا ہے۔ وہ ایک پاؤ تل کھانا بہت** بڑا کام سمجھتے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ جو ایک پاؤ تل کھا لے اس کو مَیں پانچ روپے انعام دوں گا۔ پاس سے ایک زمیندار گزر رہا تھا اُس نے جب سنا کہ پاؤ تل کھانے پر شرط لگی ہوئی ہے تو اس کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ اُس نے خیال کیا بھلا ایک پاؤ تل کونسی بڑی بات ہے جس پر انعام دیا جائے۔ ضرور اس کے ساتھ کوئی اور شرط ہو گی۔ وہ آگے بڑھا اور پوچھا: "شاہ جی! تل سلّیاں سمیت کھانے نے کہ بغیر سلّیاں دے"۔ یعنی پھلیوں سمیت تل کھانے ہیں یا الگ کئے ہوئے بیج کھانے ہیں۔ اُس زمیندار کے نزدیک تو پاؤ تل کھانا کوئی چیز نہ تھی لیکن وہ سب بنئے تھے جو آدھا پھلکا کھانے کے عادی تھے۔ جب اس نے یہ کہا کہ شاہ جی! کیا تل پھلیوں سمیت کھانے ہیں تو اس بنئے نے کہا: چوہدری صاحب آپ جائیے ہم تو آدمیوں کی باتیں کرتے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ جہاں یہ کہتا ہے کہ مَیں پکارنے والے کی پکار کو سنتا ہوں۔ وہاں بھی وہ آدمیوں کا ہی ذکر کرتا ہے، جانوروں کا نہیں کرتا۔ وہ ہر پکارنے والے کی پکار کو نہیں سنتا۔ وہ صرف اس شخص کی پکار سنتا ہے جسے یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ہی سب ذمہ داری نہیں بلکہ مجھ پر بھی کچھ ذمہ داری ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اے خدا! فلاں کی لڑکی مجھے

ادھال کر لادے یا فلاں کا مال مجھے دے دے یا میرے فلاں دشمن کی جان نکال دے تو خدا تعالیٰ اپنے آپ کو ان دعاؤں کا مخاطب نہیں سمجھتا۔ پس فرمایا ﴿فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِي﴾ میں ہر اس دعا کو سنتا ہوں جس کا کرنے والا پورے طور پر میرے احکام پر عمل کرے اور پھر اسے مجھ پر پورا یقین بھی ہو۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ غلط دعائیں مانگتے ہی نہیں۔ کیا محمد رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ ایسی دعائیں مانگتے تھے کہ اے خدا فلاں کا مال ظالمانہ طور پر ہمیں دیدے۔ پس خدا تعالیٰ بھی یہاں انسانوں کا ذکر کرتا ہے حیوانوں کا نہیں۔ اور فرماتا ہے کہ مَیں دعائیں سنتا ہوں لیکن اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ اول دعا کرنے والا پورے طور پر میرے احکام پر عمل کرے۔ دوم اسے مجھ پر یقین بھی ہو۔ جب اسے مجھ پر یقین ہو گا تو اس کا اعتماد بھی دعا کی قبولیت کے لئے اکسائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ سب سے زیادہ کس کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا مَیں سب سے زیادہ اس شخص کے لئے دعا کرتا ہوں جو مجھے آ کر کہے کہ میرے لئے کوئی دعا کرنے والا نہیں آپؓ میرے لئے دعا کریں۔ جب وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے حالانکہ وہ میرا واقف بھی نہیں ہوتا تو مَیں اس پر اعتماد کیوں نہ کروں۔ پس فرمایا ﴿وَالْيُؤْمِنُوا بِي﴾ جو مجھ پر یقین رکھتا ہے اور میرے منشا کے مطابق دعا کرتا ہے مَیں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں۔ لیکن جسے یقین نہ ہو وہ میرے منشا کے مطابق دعا نہ کرتا ہو تو اس کی دعا قبول نہیں ہو سکتی۔ اسی کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی یہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے کہ "لَا يَزَالُ يُسْتَجَابُ لِلْعَبْدِ مَا لَمْ يَدْعُ بِإِثْمٍ أَوْ قَطِيعَةِ رَحِمٍ مَا لَمْ يَسْتَعْجِلْ. قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا الْاِسْتِعْجَالُ. قَالَ يَقُولُ قَدْ دَعَوْتُ وَقَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ اَرٰى يُسْتَجَابُ لِي فَيَسْتَحْسِرُ عَنْهُ ذٰلِكَ وَيَدَعُ الدُّعَاءَ"۔ (مسلم جلد ۲ کتاب الذکر والدعاء)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی دعائیں قبول کرتا ہے جب تک کہ وہ قطع رحم اور گناہ کے متعلق نہ ہوں۔ مگر اس صورت میں نہیں کہ وہ جلدی کرے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! جلدی سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا وہ یہ کہنے لگتا ہے کہ مَیں نے بڑی دعا کی۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ میری دعا قبول نہیں ہوئی۔ پھر وہ دعا سے تھک جاتا ہے اور دعا چھوڑ بیٹھتا ہے۔ غرض دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان اور یقین رکھے اور مایوسی اس کے قریب بھی نہ پھٹکے۔

پھر فرماتا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾۔ اس کے نتیجہ میں یقیناً وہ کامیاب ہوں گے۔ رُشد کے معنے ہوتے ہیں رستہ دکھائی دینا۔ پس ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ کے یہ معنے ہیں کہ انہیں یہ رستہ مل جائے گا جو انہیں کامیابی تک پہنچا دے گا۔ لَعَلَّ کے معنے عام طور پر شاید کے ہوتے ہیں لیکن اس جگہ اس کے معنے شاید کے نہیں۔ یہاں یہ لفظ کلام الملوک کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اور اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمارا شاید بھی یقینی ہوتا ہے۔ چنانچہ بالعموم حکام کہہ دیتے ہیں کہ اگر تم درخواست کرو تو حکومت غور کرے گی۔ لفظ شک کے ہوتے ہیں لیکن دراصل وعدہ ہوتا ہے کہ ہم ضرور ایسا کر دیں گے۔ لغت والے بھی لکھتے ہیں کہ جب لَعَلَّ کا لفظ خدا تعالیٰ کے لئے استعمال ہو تو اس وقت اس کے معنے یقین کے ہوتے ہیں (مفردات راغب)۔ پس ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ﴾ کے یہ معنے ہیں کہ ابھی تک تو مجھے ان تک آنا پڑتا ہے۔ مگر جب وہ یہ مقام حاصل کر لیں گے تو پھر ان کے اندر یہ طاقت پیدا ہو جائے گی کہ وہ خود مجھ تک آ سکیں گے۔ چنانچہ پہلے ﴿اِنِّي قَرِيْبٌ﴾ کہہ کر بتایا تھا کہ مَیں ان کے پاس آتا ہوں۔ مگر ﴿يَرْشُدُوْنَ﴾ کہہ کر بتایا کہ بندہ میں ترقی کرتے کرتے ایک قسم کی الوہیت کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ پہلے اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نابینا آدمی کے پاس اس کا دوست بیٹھا رہے۔ مگر پھر یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے جیسے بینا کے سامنے اس کا محبوب بیٹھا ہو۔ یہی وہ مقام ہے جس کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ عبادت کرتے وقت ہر انسان کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے۔ اب خدا تعالیٰ کے دیکھنے کے یہی معنے ہیں کہ وہ اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ ورنہ دیکھ تو وہ عرش سے بھی رہا ہے۔ درحقیقت اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کے اس قدر قریب آ جاتا ہے کہ انسان یہ یقین کرنے لگ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ بلکہ اس سے ترقی کر کے وہ اس مقام کو بھی حاصل کر لیتا ہے جس میں وہ خود بھی خدا تعالیٰ کو دیکھنے لگ جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ کے کمالات روحانیہ تک پہنچ جاتا ہے۔

چونکہ اس آیت سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی روزوں کا ذکر ہے اس لئے اس آیت کے ذریعہ مومنوں کو اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یوں تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی اپنے بندوں کی دعائیں سنتا اور ان کی حاجات کو پورا فرماتا ہے لیکن رمضان المبارک کے ایام قبولیت دعا کے لئے مخصوص ہیں۔ اس لئے تم ان دنوں سے فائدہ اٹھاؤ اور خدا تعالیٰ کے قریب ہونے کی کوشش کرو۔ ورنہ اگر رمضان کے مہینہ میں بھی تم خالی ہاتھ رہے تو تمہاری بدقسمتی میں کوئی شبہ نہیں ہو گا۔

دنیا میں ہر کام اپنے وقت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ اگر اُس وقت وہ کام کیا جائے تو جیسے اعلیٰ درجہ کے نتائج اُس وقت مرتب ہوتے ہیں وہ دوسرے وقت میں نہیں ہوتے۔ تمام غلے اور ترکاریاں بونے کا ایک خاص وقت ہوتا ہے۔ اگر اُس وقت کو مدنظر نہ رکھا جائے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ مگر وہ وقت جادو یا ٹونے کی طرح نہیں ہوتا کہ اس کے آنے سے کوئی خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے اس لئے وہ کام ہو جاتا ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ جس وقت کسی کامیابی کے سامان مہیا ہو جاتے ہیں تو وہی اس کے کرنے کا وقت ہوتا ہے۔ اگر گیہوں کا دانہ ایک خاص وقت میں بونے سے اُگتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت اُس میں کوئی خاص بات پیدا ہو جاتی ہے بلکہ اس کے اگنے کے لئے جو سامان ضروری ہوتے ہیں وہ اس وقت مہیا ہو جاتے ہیں۔ اگر وہی سامان کسی دوسرے وقت مہیا ہو سکیں تو اس وقت بھی وہ ضرور اگ آئے گا۔ تو تمام کاموں کے لئے ضروری

سامان مہیا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے۔ اسی طرح دعا کے لئے بھی وقت مقرر ہیں۔ ان وقتوں میں کی ہوئی دعا بھی بہت بڑے نتائج پیدا کرتی ہے۔ جیسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اِتَّقُوا دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ"۔ مظلوم کی بددعا سے ڈرو کیونکہ جب وہ ہر طرف مصائب ہی مصائب دیکھتا اور خدا تعالیٰ کے سوا کوئی سہارا نہیں پاتا تو اس کی تمام تر توجہ خدا تعالیٰ کی طرف پھر جاتی ہے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کے آگے گر پڑتا ہے اور اُس وقت وہ جو بھی دعا کرتا ہے قبول ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دعا کے قبول ہونے کے سامانوں میں سے ایک اعلیٰ درجہ کا سامان یہ بھی ہے کہ انسان کی ساری توجہ ہر طرف سے ہٹ کر خدا تعالیٰ ہی کی طرف ہو جائے۔ چونکہ مظلوم کی یہی حالت ہوتی ہے اس لئے اس کے لئے بھی یہ ایک موقعہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح دعا کے قبول ہونے کے اوقات بھی ہیں لیکن وہ ظاہری سامانوں کی حدبندیوں کے نیچے نہیں ہوتے بلکہ وہ انسانی قلوب کی خاص حالتوں اور کیفیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہیں وہی انسان محسوس کر سکتا ہے جس پر وہ حالت وارد ہو۔ مگر دعا کی قبولیت کا ایک اور وقت بھی ہے جس کے معلوم کرنے کے لئے باریک قلبی کیفیات سے واقف ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور وہ وقت رمضان کا مہینہ ہے۔ یہ آیت خدا تعالیٰ نے روزوں کے ساتھ بیان کی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ اس کا روزوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور اس کے روزوں کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ جس طرح مظلوم کی ساری توجہ محدود ہو کر ایک ہی طرف یعنی خدا تعالیٰ کی طرف لگ جاتی ہے اسی طرح ماہ رمضان میں مسلمانوں کی توجہ خدا تعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی پھیلی ہوئی چیز محدود ہو جائے تو اس کا زور بہت بڑھ جاتا ہے جیسے دریا کا پاٹ جہاں تنگ ہوتا ہے وہاں پانی کا بڑا زور ہوتا ہے۔ اسی طرح رمضان کے مہینہ میں وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو دعا کی قبولیت کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس مہینہ میں مسلمانوں میں ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہوتی ہے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔ پھر سحری کے لئے سب کو اٹھنا پڑتا ہے اور اس طرح ہر ایک کو کچھ نہ کچھ عبادت کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اس وقت لاکھوں انسانوں کی دعائیں جب خدا تعالیٰ کے حضور پہنچتی ہیں تو خدا تعالیٰ ان کو رد نہیں کرتا بلکہ انہیں قبول فرماتا ہے۔ اُس وقت مومنوں کی جماعت ایک کرب کی حالت میں ہوتی ہے۔ پھر کس طرح ممکن ہے کہ ان کی دعا قبول نہ ہو۔ درد اور کرب کی حالت کی دعا ضرور سنی جاتی ہے۔ جیسے یونسؑ کی قوم کی حالت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ نے ان کو بخش دیا اور ان سے عذاب ٹل گیا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ سب اکٹھے ہو کر خدا تعالیٰ کے حضور جھک گئے تھے۔

پس رمضان کا مہینہ دعاؤں کی قبولیت کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتا ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں دعا کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ﴿قَرِیْبٌ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ اگر وہ قریب ہونے پر بھی نہ مل سکے تو اور کب مل سکے گا۔ جب بندہ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیتا ہے اور اپنے عمل سے ثابت کر دیتا ہے کہ اب وہ خدا تعالیٰ کا در چھوڑ کر اور کہیں نہیں جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور ﴿اِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ کی آواز خود اس کے کانوں میں آنے لگتی ہے جس کے معنے سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر وقت اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ اور جب کوئی بندہ اس مقام تک پہنچ جائے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اُس نے خدا کو پالیا۔

(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ
تفسیر سورۃ البقرہ زیر آیت ۱۸۷)

تلاوت قرآن کریم

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک کامل شریعت قرآن کریم کی شکل میں عطا فرمائی ہے۔ اور جو شخص قرآن کریم کی تعلیمات پر سچی اور کامل اطاعت کے ساتھ عمل پیرا ہوگا۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں کامیابی حاصل کرے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے یقیناً ایک ایسی کتاب آگئی ہے جو سراسر نصیحت ہے اور وہ (ہر) اس (بیماری) کے لئے جو سینوں میں (پائی جاتی) ہو۔ شفا (دینے والی) ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ تو ان سے کہہ دے (کہ یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (وابستہ) ہے۔ پس اس پر انہیں خوشی منانا چاہئے۔ جو (مال) وہ جمع کر رہے ہیں۔ اس سے یہ (نعمت کہیں) زیادہ بہتر ہے۔" (یونس: 58-59) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

" دل اس طرح زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس طرح پانی لگنے سے لوہا زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! اس میں کیسے جلا پیدا کی جائے۔ فرمایا (-) یعنی کثرت سے موت کو یاد کرو اور کثرت سے قرآن کریم کی تلاوت کرو۔

(مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن)

قرآن کریم کے سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

تم میں سے بہترین وہ شخص ہے جو قرآن کریم سیکھے اور اسے دوسروں کو سکھائے۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن)

پھر فرمایا۔ "دو آدمیوں پر رشک کرنا چاہئے ایک وہ جسے خدا قرآن کریم سکھائے اور وہ دن کے اوقات میں بھی اور رات کو بھی اس کی تلاوت کرے یہاں تک کہ اس کا ہمسایہ بھی اس سے متاثر ہو کر کہے کہ اے کاش! مجھے بھی اسی طرح قرآن آتا اور میں بھی ایسے ہی عمل کرتا۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن)

حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں۔ "قرآن شریف اس ذوالفقار تلوار کی مانند ہے جس کے دو طرف دھاریں ہیں۔ ایک طرف کی دھار

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

رمضان المبارک

کلام الٰہی کو یاد کرانے کا مہینہ

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کبیر میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۶ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰن﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"رمضان کا مہینہ ان مقدس ایام کی یاد دلاتا ہے جن میں قرآن کریم جیسی کامل کتاب کا دنیا میں نزول ہوا۔ وہ مبارک دن، وہ دنیا کی سعادت کی ابتداء کے دن۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکت کے دروازے کھولنے والے دن جب دنیا کی گھناؤنی شکل، اس کے بدصورت چہرے اور اس کے اذیت پہنچانے والے اعمال سے تنگ آکر محمد رسول اللہ ﷺ غار حرا میں جاکر اور دنیا سے منہ موڑ کر اور اپنے عزیز واقارب کو چھوڑ کر صرف اپنے خدا کی یاد میں مصروف رہا کرتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ دنیا سے اس طرح بھاگ کر وہ اپنے فرائض کو ادا کریں گے جسے ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے۔ انہی تنہائی کی گھڑیوں میں انہی جدائی کے اوقات میں اور انہی غور وفکر کی ساعات میں رمضان کا مہینہ آپ پر آگیا۔ اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے چوبیسویں رمضان کو وہ جو دنیا کو چھوڑ کر علیحدگی میں چلا گیا تھا اسے اس کے پیدا کرنے والے، اس کی تربیت کرنے والے، اس کو تعلیم دینے والے اور اس سے محبت کرنے والے خدا نے حکم دیا کہ جاؤ اور جاکر دنیا کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ۔ اور بتایا کہ تم مجھے تنہائی میں اور غار حرا میں ڈھونڈتے ہو مگر میں تمہیں مکہ کی گلیوں اور اس کے شور وشغب میں ملوں گا۔ جاؤ اور اپنی قوم کو پیغام پہنچا دو کہ میں نے تم کو ادنیٰ حالت میں پیدا کر کے اور پھر ترقی دے کر اس لئے دنیا میں نہیں بھیجا کہ کھاؤ پیو اور مر جاؤ اور کوئی سوال تم سے نہ کیا جائے۔

آپ اس آواز کو سن کر حیران ہو گئے۔ آپ نے جبرائیل کو حیرت سے دیکھ کر کہا کہ مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ۔ میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔ یعنی اس قسم کا پیغام مجھے عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کیا یہ الفاظ میرے منہ سے مکہ والوں کے سامنے زیب دیں گے۔ کیا میری قوم ان کو قبول کرے گی اور سنے گی؟ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو متواتر حکم دیا گیا کہ جاؤ اور پڑھو، جاؤ اور پڑھو۔ جاؤ اور پڑھو۔ تب آپ نے اس آواز پر اس ارشاد کی تعمیل میں تنہائی کو چھوڑا اور جلوت اختیار کی۔ مگر وہ کیسی مجلس تھی۔ وہ ایسی نہ تھی کہ جس میں ایک دوست بیٹھ کر دوسرے دوست کے سامنے اپنے شکوے بیان کرتا ہے۔ وہ ایسی مجلس نہ تھی جس میں دوست اپنے دوست کے خوش کرنے والے حالات سنتا اور اس سے لطف اٹھاتا ہے۔ وہ ایسی مجلس نہ تھی جس میں انسان اپنی ذہنی کوفت اور تھکان دور کرتا ہے۔ وہ قصوں کہانیوں والی مجلس نہ تھی، شعر وشاعری کی مجلس نہ تھی۔ وہ ایسی مجلس نہ تھی جس میں مباحثات اور مناظرات ہوتے ہیں بلکہ وہ مجلس ایسی تھی جس میں ایک طرف سے متواتر اور پیہم اخلاص کا اظہار ہوتا تھا تو دوسری طرف سے متواتر اور پیہم گالیاں، دشنام، ڈراوے اور دھمکیاں ملتی تھیں۔ وہ ایسی مجلس تھی جس میں ایک دفعہ جانے کے بعد دوسرے دن جانے کی خواہش باقی نہیں رہتی۔ وہ ایسی گالیاں اور ایسے ارادے اور ایسی دھمکیاں ہوتی تھیں کہ ایک طرف ان کو دینے والے سمجھتے تھے کہ اگر اس شخص میں کوئی حس باقی ہے تو کل اس کے منہ سے ایسی بات ہرگز نہیں نکلے گی۔ وہ خوش ہوتے تھے کہ آج ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان بند کر دی اور دوسری طرف جب خدا تعالیٰ کا سورج چڑھتا تو خدا تعالیٰ کا یہ عاشقِ صادق خدا تعالیٰ کا پیغام مکہ والوں کو پہنچانے کے لئے پھر نکل کھڑا ہوتا۔ پھر تمام دن وہی گالیاں، وہی دھمکیاں اور وہی ڈراوے ہوتے تھے اور اسی میں شام ہو جاتی۔ مگر جب رات کا پردہ حائل ہوتا تو وہ سمجھتے کہ شاید آج یہ خاموش ہو گیا ہوگا۔ مگر وہ جس کے کانوں میں خدائی آواز گونج رہی تھی وہ مکہ والوں سے دب کر کیسے خاموش ہو جاتا۔ اگر تو اس کی رات سوتے گزرتی تو بے شک اس پیغام کو بھول جاتا مگر جب اس کے سونے کی حالت جاگنے ہی کی ہوتی تو وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ وہ سبق جو دہرایا نہ جائے بیشک بھول سکتا ہے مگر جب آپ کی یہ حالت تھی کہ جونہی سرہانے پر سر رکھا وہی اِقْرَاء کی آواز آنی شروع ہو جاتی۔ تو آپ کس طرح یہ پیغام بھول جاتے۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو رمضان ہی میں یہ آواز آئی اور رمضان ہی میں آپ نے غار حرا سے باہر نکل کر لوگوں کو یہ تعلیم سنانی شروع کی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ یعنی رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اترا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ﴾ یعنی قرآن لَیْلَةُ الْقَدْر میں اتارا گیا ہے۔

رَمَضَان، رَمَضَ سے نکلا ہے جس کے معنے عربی زبان میں جلن اور سوزش کے ہیں۔ خواہ وہ جلن دھوپ کی ہو خواہ بیماری کی۔ اس لئے رَمَضَان کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا موسم جس میں سختی کے اوقات اور ایام ہوں۔ اور ادھر فرمایا ہم نے اسے رات کو اتارا ہے اور رات، تاریکی اور مصیبت پر دلالت کرتی ہے۔ پس ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ الہام کا نزول تکالیف اور مصائب کے ایام میں ہوا کرتا ہے۔ جب تک کوئی قوم مصائب اور

شدائد سے دوچار نہیں ہوتی، جب تک اس کے دن راتیں نہیں بن جاتے، جب تک وہ بھوک اور پیاس کی شدت سے تکلیف نہیں اٹھاتی، جب تک انسانی جسم اندر اور باہر سے مصیبت نہیں اٹھاتا اس وقت تک خدا تعالیٰ کا کلام اس پر نازل نہیں ہو سکتا۔ اور اس ماہ کے انتخاب میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی بتایا کہ اگر تم اپنے اوپر الہام الٰہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ تکالیف اور مصائب میں سے گزرو۔ اس کے بغیر الہام الٰہی کی نعمت تمہیں میسر نہیں آسکتی۔

پس رمضان کلام الٰہی کو یاد کرانے کا مہینہ ہے۔ اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس مہینہ میں قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنی چاہئے۔ اور اسی وجہ سے ہم بھی اس مہینہ میں درس قرآن کا انتظام کرتے ہیں۔ دوستوں کو چاہئے کہ اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ تلاوت کیا کریں۔ اور قرآن کریم کے معانی پر غور کیا کریں تا کہ ان کے اندر قربانی کی روح پیدا ہو جس کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔

بہر حال یہ مہینہ بتاتا ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا فتح کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ غار حرا کی علیحدگیوں میں جائے۔ دنیا چھوڑے بغیر نہیں مل سکتی۔ پہلے اس سے علیحدگی اختیار کرنی ضروری ہوتی ہے اور پھر وہ قبضہ میں آتی ہے۔ مگر وہ قبضہ جسے الٰہی قبضہ و تصرف کہتے ہیں۔ ایک دنیوی قبضہ ہوتا ہے جیسے دجال کا ہے۔ اس کے ملنے کا بیشک یہی طریق ہے کہ اپنے آپ کو دنیا کے لئے وقف کر دیا جائے۔ لیکن جو شخص خدا تعالیٰ کا ہو کر اس پر قبضہ کرنا چاہے وہ اسی صورت میں کر سکے گا جب اسے چھوڑ دے گا۔ دیکھو ابو جہل نے دنیا کے لئے کوشش کی اور اسے حاصل کیا مگر محمد رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور پھر بھی وہ آپ کو مل گئی۔ بلکہ ابو جہل سے زیادہ ملی۔ ابو جہل زیادہ سے زیادہ مکہ کا ایک رئیس تھا مگر آپ اپنی زندگی ہی میں سارے عرب کے بادشاہ ہو گئے اور آج ساری دنیا کے شہنشاہ ہیں۔ غرض جو دنیا محمد رسول اللہ ﷺ کو ملی وہ ابو جہل کو کہاں حاصل ہوئی۔ مگر ابو جہل کو جو کچھ حاصل ہوا وہ دنیا کمانے سے ملا لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو جو کچھ ملا وہ دنیا چھوڑنے سے ملا۔ پس **روحانی جماعتوں کو دنیا چھوڑ دینے سے ملتی ہے اور دنیوی لوگوں کو دنیا کمانے سے ملتی ہے۔** اور رمضان ہمیں توجہ دلاتا ہے کہ اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہو تو ضروری ہے کہ پہلے شدائد اور مصائب کو قبول کرو۔ راتوں کی تاریکیاں قبول کرو اور ان چیزوں سے مت گھبراؤ کیونکہ یہی قربانیاں تمہاری کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

غرض رمضان ایک خاص اہمیت رکھنے والا مہینہ ہے اور جس شخص کے دل میں اسلام اور ایمان کی قدر ہوتی ہے وہ اس مہینہ کے آتے ہی اپنے دل میں ایک خاص حرکت اور اپنے جسم میں ایک خاص قسم کی کپکپاہٹ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتنی ہی صدیاں ہمارے اور محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان گزر جائیں، کتنے ہی سال ہمیں اور ان کو آپس میں جدا کرتے چلے جائیں، کتنے ہی دنوں کا فاصلہ ہم میں اور ان میں حائل ہوتا چلا جائے۔ لیکن جس وقت رمضان کا مہینہ آتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان صدیوں اور سالوں کو اس مہینہ نے لپیٹ لپاٹ کر چھوٹا سا کر کے رکھ دیا ہے اور ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ہی قریب نہیں چونکہ قرآن خدا تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام فاصلہ کو رمضان نے سمیٹ سماٹ کر ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب پہنچا دیا ہے۔ اور وہ بُعد جو ایک انسان کو خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے، وہ بُعد جو ایک مخلوق کو اپنے خالق سے ہوتا ہے، وہ بُعد جو ایک کمزور اور نالائق ہستی کو زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا سے ہوتا ہے وہ یوں سمٹ جاتا ہے، وہ یوں غائب ہو جاتا ہے جیسے سورج کی کرنوں سے رات کا اندھیرا۔ یہی وہ حالت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَإِنِّيْ قَرِيْبٌ﴾۔ جب رمضان کا مہینہ آئے اور میرے بندے تجھ سے میرے متعلق سوال کریں کہ مَیں انہیں کس طرح مل سکتا ہوں تو تُو انہیں کہہ دے کہ رمضان اور خدا میں کوئی فرق نہیں۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں خدا اپنے بندوں کے لئے ظاہر ہوا اور اس نے چاہا کہ پھر اپنے بندوں کو اپنے پاس کھینچ کر لے آئے۔ اس کلام کے ذریعہ جو حبل اللہ ہے، جو خدا کا وہ رسہ ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا مخلوق کے ہاتھ میں۔ اب یہ بندوں کا کام ہے کہ وہ اس رسہ پر چڑھ کر خدا تک پہنچ جائیں۔

اب میں بتاتا ہوں کہ ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کے تین معنے ہو سکتے ہیں۔

اوّل اس جگہ فِيْ تَعْلِيْلِيَّه ہے اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم اتارا گیا۔ یعنی رمضان المبارک کے روزوں کی اس قدر اہمیت ہے کہ ان کے بارہ میں قرآن کریم میں خاص طور پر احکام نازل کئے گئے ہیں اور جس حکم کے بارہ میں قرآنی وحی نازل ہو اس کے متعلق ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہ کتنا اہم اور ضروری ہوگا۔ ﴿فِيْ﴾ کے یہ معنے لغت سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ عربی زبان میں کہتے ہیں **تَكَلَّمْتُ مَعَكَ فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ**۔ میں نے تجھ سے اس امر کے متعلق گفتگو کی۔ اسی طرح قرآن کریم میں بھی اس کی مثال پائی جاتی ہے۔ سورۃ یوسف میں اِمْرَأَةُ الْعَزِيْزِ کے متعلق آتا ہے کہ اس نے کہا ﴿فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ﴾۔ (سورۃ یوسف آیت ۳۳)۔ یہ وہ شخص ہے جس کے بارہ میں تم نے مجھے ملامت کی ہے۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے "عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِيْ هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا"۔ (بخاری جلد ۲ کتاب المساقاۃ)۔ ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے

A view of the audience at Jalsa Seeratun Nabi

At the Pilgrim Church (where Ahmadiyya Muslims were invited), after the speech and the Q/A Session. Seated on the left is Rev. Stephen Anderson with Maulana Shamshad A. Nasir on his right

JALSA SEERATUN NABI, IN PICTURES

Some of the Speakers at the Seeratun-Nabi Jalsa

JALSA SEERATUN-NABI

(The Life and Teachings of The Holy Prophet Muhammad, Sallallaho Alaihe wa Sallam, held on September 23, 2001 at Baitur Rahman Mosque. Reported by Kalimullah Khan)

Jalsa Seeratun-Nabi was held at the Regional level on Sunday, September 23, 2001, at Baitur-Rahman Mosque. Friends and acquaintances in the neighborhood were also invited. Of the large gathering that attended there were some fifty outside guests..

Mr. Wasim Hayder recited the Holy Quran. President of Virginia Jama'at, Dr. Syed Abdul Majid Shah Sahib explained the noble life history of our Holy Prophet Muhammad (s.a.w.)

A young Khadim, Sahibzada Aamir Latif Sahib then spoke very eloquently on the "Universal Message of the Holy Prophet (s.a.w.) – a perfect guidance and the most suitable for all ages and needs of mankind.

Then another Khadim, Sahibzada Mirza Naseer Ehsan Ahmad Sahib spoke very clearly on *"The Holy Prophet's Life and Conduct"*

Maulana Syed Shamshad Ahmad Nasir Sahib, Missionary National Headquarters, explained the *"Moral and Spiritual Revolution"* brought by the Holy Prophet's Message, in a very simple, clear and impressive way.

Three church leaders: (1) Brian D. McLaren, (2) Rev. Stephen M. Anderson and (3) Mr. Thomas Crews also expressed their views at this occasion.

Jalsa concluded with silent prayers led by Maulana Shamshad Ahmad Nasir Sahib. Refreshments were served afterwards.

VIEWS OF THE AUDIENCE AT THE INTERFAITH PRAYER

عذاب دیا گیا کیونکہ اس نے اسے بغیر کھلائے پلائے باندھ دیا تھا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔

دوسرے معنے یہ ہیں کہ رمضان ایسا مہینہ ہے جس میں قرآن کریم کے نزول کا آغاز ہوا۔ چنانچہ حدیثوں سے صاف طور پر ثابت ہے کہ قرآن کریم کا نزول رمضان کے مہینہ میں شروع ہوا اور گو تاریخ کی تعیین میں اختلاف ہے لیکن محدثین عام طور پر ۲۴ر تاریخ کی روایت کو مقدم بتاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ زرقانی دونوں نے اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ قرآن کریم رمضان کی ۲۴ر تاریخ کو اترنا شروع ہوا تھا۔ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد اول صفحہ ۲۰۷ . وبحر محیط جلد ۲ صفحہ ۲۹)

تیسرے معنے اس کے یہ ہیں کہ رمضان میں پورا قرآن اتارا گیا۔ جیسے احادیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مرض الموت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا "اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يُعَارِضُنِيْ الْقُرْاٰنَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً. وَاِنَّهٗ عَارَضَنِيْ الْاٰنَ مَرَّتَيْنِ" ۔ (زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۸ صفحہ ۲۵۰ و ۲۶۳)

یعنی جبریل ہر سال رمضان کے مہینہ میں تمام قرآن کریم کا میرے ساتھ ایک دفعہ دور کیا کرتے تھے مگر اس سال انہوں نے دو دفعہ دور کیا ہے جس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ اب میری وفات کا وقت قریب ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی قرآن کریم نازل ہوا ہے مگر رمضان المبارک کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں **جس حد تک قرآن کریم نازل ہو چکا ہوتا تھا جبریل** اس کا رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل کر دور کیا کرتے تھے ۔ گویا دوسرے الفاظ میں دوبارہ تمام قرآن کریم آپ پر نازل کیا جاتا۔

بخاری کتاب بدء الوحی میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدَ النَّاسِ وَ كَانَ اَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ وَكَانَ يَلْقَاهُ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ فَيُدَارِسُهُ الْقُرْاٰنَ. فَلَرَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَجْوَدُ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ"۔ یعنی رسول کریم ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر سخی تھے اور زیادہ تر سخاوت آپ رمضان میں فرمایا کرتے تھے جبکہ جبریل آپ سے ملتے تھے۔ اور جبریل رمضان کے مہینہ میں ہر رات آپ سے ملا کرتے تھے اور تمام قرآن کریم کا آپ کے ساتھ مل کر دور کیا کرتے تھے۔ ان دنوں رسول کریم ﷺ بارش لانے والی ہوا سے بھی اپنے جود و کرم میں بڑھ جاتے تھے۔

ان حوالجات سے ثابت ہے کہ ابتدائے نزول قرآن بھی رمضان کے مہینہ میں ہوا اور پھر رمضان میں جتنا قرآن اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا جبریل دوبارہ نازل ہو کر اسے رسول کریم ﷺ کے ساتھ مل کر دہراتے تھے۔ اس روایت کو مد نظر رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ سارا قرآن کریم ہی رمضان میں نازل ہوا۔ بلکہ کئی حصے متعدد بار نازل ہوئے یہاں تک کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد اگر ۲۳ر رمضان آئے تو بعض آیات ایسی تھیں جو ۲۳بار نازل ہوئیں، بعض ۲۲بار نازل ہوئیں، بعض ۲۱بار اور بعض ۲۰بار۔ اسی طرح جو آیات آخری سال نازل ہوئیں وہ بھی دو دفعہ دہرائی گئیں کیونکہ جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا آپ کی حیات طیبہ کے آخری سال میں جبریل علیہ السلام نے دو دفعہ قرآن کریم آپ کے ساتھ دہرایا اور یہ بات قرآن کریم سے ثابت ہے کہ ملائکہ جو بھی کام کرتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جبریل علیہ السلام کا رمضان میں آپؐ کے ساتھ مل کر قرآن کریم کا دور کرنا نزول نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ فرشتہ اترتا ہی اسی وقت ہے جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہو اور اسلامی زبان میں اس کے لئے نزول کی اصطلاح ہی استعمال ہوتی ہے۔ پس ﴿اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کے ایک یہ معنے بھی ہیں کہ اس مہینہ میں تمام قرآن کا نزول ہوا۔

یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ رمضان اسلامی نام ہے۔ اس مہینے کا پہلا نام زمانہ جاہلیت میں ناتق ہوا کرتا تھا۔ (فتح البیان)

﴿هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى﴾

چونکہ ھُدًی اور بَیِّنٰت دونوں قرآن کریم کا حال ہیں اس لئے اس کے معنے یہ ہوئے کہ یہ قرآن ایسا ہے کہ اول تو وہ ﴿هُدًى﴾ ہے یعنی لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے۔ دوم اس میں ہدایت کے دلائل ہیں۔ یعنی وہ یونہی لوگوں کو نہیں کہتا کہ ایسا کرو اور ایسا نہ کرو بلکہ وہ دلائل بھی دیتا ہے۔ اور ﴿لِلنَّاسِ﴾ کا لفظ رکھ کر بتایا کہ یہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ہدایت کا موجب ہے، صرف بعض لوگوں کے لئے نہیں۔ ﴿وَالْفُرْقَانِ﴾ اور پھر اس میں ایسے دلائل ہیں جو حق اور باطل میں امتیاز کر دیتے ہیں۔

﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾

میں بتایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ رمضان کا مبارک مہینہ نصیب کرے اور وہ ان دنوں میں سفر میں بھی نہ ہو اور اس کی صحت بھی اچھی ہو اسے چاہئے کہ وہ پورے مہینہ کے مسلسل روزے رکھے اور اپنے لئے خیر اور برکت کے زیادہ سے زیادہ سامان جمع کرے اور ان مبارک ایام کو سستی اور غفلت میں ضائع نہ کرے۔

پھر فرماتا ہے ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں چاہتا۔ یعنی ہم نے رمضان میں روزے اس لئے مقرر کئے ہیں کہ ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ تم ایمان لاؤ اور پھر اپنی زندگی تنگیوں میں بسر کرو۔ حالانکہ بظاہر یہ دکھائی دیتا ہے کہ ان دنوں مومنوں کو اپنے نفس پر زیادہ تنگی برداشت کرنی پڑتی ہے۔

درحقیقت اس آیت میں عظیم الشان نکتہ بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے لئے بھوکا رہنا یا دین کے لئے قربانیاں کرنا انسان

کے لئے کسی نقصان کا موجب نہیں بلکہ سراسر فائدہ کا باعث ہوتا ہے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ رمضان میں انسان بھوکا رہتا ہے وہ قرآن کریم کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بھوکے تھے ہم نے رمضان مقرر کیا تاکہ تم روٹی کھاؤ۔ پس معلوم ہوا کہ روٹی وہی ہے جو خدا کھلاتا ہے اور اصل زندگی اسی سے وابستہ ہے کہ انسان خدا کے لئے قربانی کرے اور پھر جو کچھ ملے اسے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوا کھائے۔ اس کے سوا جو روٹی ہے وہ دراصل کھانے والے کے لئے روحانی ہلاکت کا موجب ہوتی ہے۔ پس مومن کا فرض ہے کہ جو لقمہ بھی اس کے مونہہ میں جائے اس کے متعلق پہلے دیکھ لے کہ وہ کس کے لئے ہے۔ اگر تو وہ خدا کے لئے ہے تو وہی روٹی ہے اور اگر نفس کے لئے ہے تو وہ روٹی نہیں بلکہ پتھر ہیں۔ اسی طرح جو کپڑا خدا کے لئے پہنا جائے وہی لباس ہے اور جو نفس کے لئے پہنتا ہے وہ ننگا ہے۔ دیکھو کیسے لطیف پیرایہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جب تک تم خدا کے لئے تکالیف اور مصائب برداشت نہ کرو تم کبھی سہولت حاصل نہیں کر سکتے۔ اس سے ان لوگوں کے خیال کا بھی ابطال ہو جاتا ہے جو بقول حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان کو موٹے ہونے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ بعض لوگوں کے لئے رمضان ایسا ہی ہوتا ہے جیسے گھوڑے کے لئے خوید۔ وہ ان دنوں خوب گھی، مٹھائیاں اور مرغن اغذیہ کھاتے ہیں اور اس طرح موٹے ہو کر نکلتے ہیں جس طرح خوید کے بعد گھوڑا۔ یہ چیز بھی رمضان کی برکت کو کم کرنے والی ہے۔

اسی طرح افطاری میں تنوع اور سحری میں تکلفات بھی نہیں ہونے چاہئیں اور یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ سارا دن بھوکے رہے ہیں اب پُرخوری کر لیں۔

رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ افطاری کے لئے کوئی تکلفات نہ کرتے تھے۔ کوئی کھجور سے، کوئی نمک سے، بعض پانی سے اور بعض روٹی سے افطار کر لیتے تھے۔ ہمارے لئے بھی ضروری ہے کہ ہم اس طریق کو پھر جاری کریں اور رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کے نمونہ کو زندہ کریں۔

پھر فرماتا ہے ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرو۔ مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں اور میں خود بھی کبھی کبھی یہ معنے کیا کرتا ہوں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہینہ بھر کے روزے مقرر کرنے کی وجہ بتائی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا مہینہ اس لئے مقرر کیا ہے تا دن پورے ہو جائیں۔ اگر یونہی حکم دے دیتا کہ روزے رکھو تو کوئی دس رکھ لیتا، کوئی بیس رکھ لیتا مگر اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اصل زندگی انسان کی ور کوئی رکھتا ہی چلا جاتا۔ **پس اللہ تعالیٰ نے ایک مہینہ مقرر کر دیا تاکہ روحانی تکمیل کے لئے جس مدت کی ضرورت ہے اس کو تم پورا کر لو۔** یہ معنے بھی اپنی جگہ درست ہیں وہی ہے جو نیکی میں گزرے۔ عمر کا وہ حصہ جو دنیا کے لئے گزر جاتا ہے ضائع چلا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم نے روزے اس لئے رکھے ہیں تاکہ تم اپنی حقیقی عمر پوری کر لو۔ جو لوگ دنیا حاصل کرنے میں ہی مصروف رہتے ہیں وہ قرآنی اصطلاح کے مطابق زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہوتے ہیں۔ اور ﴿مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ کے مطابق جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہو گا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے روزے اس لئے مقرر کئے ہیں تا تم دنیا میں اپنی مقررہ عمر گزار لو۔ چونکہ بنی نوع انسان کے لئے کھانا پینا لازمی ہے اس لئے سارا سال تو روزے نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس اصل کے مطابق کہ ایک نیکی کا ثواب کم سے کم دس گنا ملتا ہے ایک ماہ کے روزے مقرر کر دئے اور اس طرح رمضان سارے سال کے روزوں کا قائم مقام ہو گیا۔ گویا جس نے اس مہینہ کے روزے رکھ لئے اس نے سارے سال کے روزے رکھ لئے اور اس طرح اس کی زندگی واقعی زندگی ہو گئی۔

پھر فرماتا ہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾۔ یہ روزے اس لئے مقرر کئے گئے ہیں کہ تم اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کہ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے شَهْرُ کے مقابلہ میں ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ﴾ کے الفاظ رکھ دئے۔ اور بتایا کہ اگر ہم ایک مہینہ مقرر نہ کرتے تو کوئی کم روزے رکھتا اور کوئی زیادہ اور اس طرح وہ روحانی ترقی جو مہینہ بھر کے روزوں کے نتیجہ میں حاصل ہو سکتی ہے اسے وہ حاصل نہ کر سکتے۔

اس کے بعد ﴿اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ کے مقابلہ میں ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ کے الفاظ رکھ کر بتایا کہ ہم نے کوئی اور مہینہ اس لئے مقرر نہیں کیا کہ نزول قرآن کو یاد کر کے اس ماہ میں تمہارے دل میں خاص جوش پیدا ہو سکتا ہے۔ جب رمضان کا مہینہ آئے گا تو لازماً تمہیں یہ خیال بھی آئے گا کہ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہم پر خدا تعالیٰ کا ایک بہت بڑا فضل قرآن کریم جیسی مقدس کتاب کی شکل میں نازل ہوا ہے اور تمہارا دل خود بخود اس مہینہ میں خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کی طرف متوجہ ہو جائے گا۔

پھر ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ میں اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ دن اس لئے ہیں کہ تا اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر تم اس کی تکبیر کرو۔ یہ نہیں کہ تم شکوہ کرو کہ ہمیں بھوکا رکھا بلکہ یہ سمجھو کہ بڑا احسان کیا کہ روزہ جیسی نعمت ہمیں عطا کی۔ یہاں مومن کا نقطہ نگاہ واضح کیا گیا ہے کہ اسے قربانی کا جو موقعہ بھی ملے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتا ہے۔ اور جس قوم کا یہ نقطہ نگاہ ہو جائے اسے کوئی تباہ نہیں کر سکتا۔ وہ ضرور کامیاب ہو کر

رہتی ہے۔ ایسی قوم حقیقی معنوں میں زندہ قوم ہو جاتی ہے۔ جب ایک شخص کے دل میں یہ خیال ہو کہ مجھ پر جو دینی ذمہ داریاں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کرے گا۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ کی بڑائی کرے خدا تعالیٰ اس کی بڑائی کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تمہیں جو کوئی تحفہ دے تم اسے اس سے بہتر تحفہ دو اور جب ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایسا نہ کرے۔ انسان اس کی خدمت میں تحفہ پیش کرے اور وہ اس سے بہتر تحفہ اسے نہ دے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی بڑائی کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی بڑائی کرتا ہے مگر شرط یہی ہے کہ تکبیر صرف منہ سے نہ ہو۔ جس تکبیر سے وہ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ گالیاں کھاؤ، ماریں کھاؤ، پتھر کھاؤ اور پھر بھی خدا تعالیٰ کی تکبیر کرو کہ اس نے اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر ہمیں یہ مواقع عطا کئے ہیں۔ گویا **حقیقی تکبیر یہی ہے کہ جتنا زیادہ ظلم ہو اتنا ہی زیادہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف جھکے اور کہے کہ مجھ پر اس کے کتنے احسان ہو رہے ہیں۔** جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کی تکبیر کریاور اس کی بڑائی بیان کرے۔ **ایسے شخص کی تکبیر کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ یقیناً اس کو بڑھاتا ہے اور اس کی بڑائی کے سامان پیدا کرتا ہے۔** ورنہ صرف منہ کی تکبیریں اس کے کسی کام نہیں آسکتیں۔

اس کے بعد فرمایا ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾۔ یہ روزے ہم نے اس لئے مقرر کئے ہیں تاکہ تم اس کے شکر گزار بنو۔ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ کے مقابل پر رکھ کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ سہولت ہم نے اس لئے رکھی ہے کہ تم شکر گزار بنو کہ خدا تعالیٰ نے مدارج عالیہ کے حصول کے لئے ہمارے لئے کس قدر سہولتیں رکھ دی ہیں اور تمہاری جبین نیاز ہمیشہ اس کے حضور جھکی رہے۔

غرض ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین احکام دئے ہیں اور تین ہی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔ تین احکام تو یہ دئے ہیں کہ (۱) مہینہ کے روزے رکھو۔ (۲) رمضان میں رکھو۔ (۳) مریض اور مسافر کو ان دنوں میں رخصت ہے۔ اس کے مقابل پر تین ہی حکمتیں بیان فرمائیں۔ (۱) کہا تھا کہ ایک مہینہ کے روزے رکھو اس لئے فرمایا کہ اگر ہم روزے مقرر نہ کرتے تو لوگ کم و بیش رکھتے اور اس طرح وہ تعداد پوری نہ ہوتی جو روحانی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ (۲) کہا تھا کہ رمضان میں روزے رکھو۔ اس پر کوئی کہہ سکتا تھا کہ رمضان کو کیوں مقرر کیا ہے۔ جس مہینہ میں کوئی چاہتا روزے رکھ لیتا۔ اس لئے فرمایا کہ اس مہینہ میں قرآن کریم کا نزول یاد آ کر خدا تعالیٰ کو یاد کرنے کا جوش پیدا ہوگا اور اس مبارک مہینہ میں خدا تعالیٰ کی عبادت اور ذکر الٰہی کی طرف تمہیں زیادہ توجہ پیدا ہوگی۔ (۳) کہا تھا کہ بعض کے لئے رخصت ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ ان آسانیوں کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جذبہ تمہارے دلوں میں پیدا ہو کہ خدا تعالیٰ کو ہمارا کتنا خیال ہے۔ اس نے ہمارے لئے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ یہ ﴿عِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ کے مقابلہ میں فرمایا کہ یہ تخفیف اور سہولت اس لئے ہے کہ تم خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور اس کی محبت سے اپنے سینہ و دل کو منور کرو۔ اسی طرح ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ رمضان ہم نے اسی لئے اتارا ہے کہ تم شکر گزار بنو۔ یعنی ہر تکبیر کے بعد شکر کرو کہ خدا نے اپنی تکبیر کی توفیق دی اور پھر اس بات کا شکر کرو کہ خدا نے شکر کی توفیق دی۔ اور پھر شکر کی توفیق ملنے پر شکر کرو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے شکر کا ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے گا کہ انسان ہر وقت اس کے دروازہ پر گرا رہے گا اور اس غلام کی طرح ہو جائے گا جو کسی صورت میں بھی اپنے آقا کو نہیں چھوڑتا۔

(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ سورۃ البقرہ زیر آیت ۱۸۶)

بقیہ صفحہ ۳۰

مومنوں کی اندرونی غلاظتوں کو کاٹتی ہے اور دوسری طرف کی دھار دشمنوں کا کام تمام کرتی ہے۔ (نزول المسیح ص 90)

آپ نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا۔ "تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اس میں زندگی ہے۔ جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔" (کشتی نوح)

پھر فرمایا۔ "سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا (-) کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں۔" (روحانی خزائن جلد 19 ص 26-27)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول فرماتے ہیں۔

"میں نے دنیا کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں اور بہت ہی پڑھی ہیں مگر ایسی کتاب دنیا کی دلربا۔ راحت بخش۔ لذت دینے والی۔ جس کا نتیجہ دکھ نہ ہو نہیں دیکھی جس کو بار بار پڑھتے ہوئے۔ مطالعہ کرتے ہوئے اور اس پر فکر کرنے سے جی نہ اکتائے۔ طبیعت نہ بھر جائے اور یا بدخود دل اکتا جائے اور اسے چھوڑنا دینا پڑا ہو۔ میں پھر تم کو یقین دلاتا ہوں کہ میری عمر۔ میری مطالعہ پسند طبیعت۔ کتابوں کا شوق اس امر کو ایک بصیرت اور کافی تجربہ کی بناء پر کہنے کے لئے جرأت دلاتے ہیں کہ ہرگز ہرگز کوئی کتاب ایسی موجود نہیں ہے۔ اگر ہے تو وہ ایک ہی کتاب ہے۔ وہ کون سی کتاب ذلک الکتاب لاریب فیہ۔ کیسا پیارا نام ہے میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں ہے کہ اس کو جتنی بار پڑھو جس قدر پڑھو اور جتنا اس پر غور کرو اسی قدر لطف اور راحت بڑھتی جاوے گی

خطبہ عیدالفطر

اپنے غریب ہمسایوں اور بے کس اور مفلوک الحال لوگوں کی عید بنائیں تب آپ عید منا سکیں گے
اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا یہ بہترین نسخہ ہے کہ
خدا کے بندوں کی حاجت روائی میں مصروف رہیں
اپنے غریبوں کی خدمت کرو کیونکہ انہی کی وجہ سے تمیں رزق دیا جا رہاہے

خطبہ عیدالفطر ارشاد فرمودہ سیدنا امیرالمومنین حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
فرمودہ ۸/ جنوری ۲۰۰۰ء ۸/ صلح ۱۳۷۹ھ ہجری شمسی بمقام مسجد اسلام آباد۔ ٹلفورڈ (برطانیہ)

(خطبہ عیدالفطر کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله–

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم– بسم الله الرحمٰن الرحيم –

الحمدلله رب العٰلمين – الرحمٰن الرحيم – مٰلك يوم الدين – إياك نعبد و إياك نستعين –

اهدنا الصراط المستقيم – صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين–

﴿وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا . اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾۔(سورۃ الدھر :آیات ۹، ۱۰)

اور وہ کھانے کو اس کی چاہت کے ہوتے ہوئے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو کھلاتے ہیں۔(یہ کہتے ہوئے کہ) ہم تمہیں محض اللہ کی رضا کی خاطر کھلا رہے ہیں، ہم ہرگز نہ تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ کوئی شکریہ۔

اس تعلق میں کچھ احادیث نبوی پیش کر رہا ہوں جن سے غریبوں کی ہمدردی اور غریبوں کی حاجت روائی کے متعلق روشنی پڑتی ہے۔اور آنحضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے الفاظ میں بہت زیادہ برکت ہے۔ان الفاظ کی برکت سے دلوں میں غیر معمولی طور پر تحریک پیدا ہوتی ہے۔

مسلم کتاب البرّ سے یہ روایت ہے۔ابن شہاب سے مروی ہے کہ سالم نے انہیں بتایا کہ ان کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے۔(مسلم کتاب البر والصلۃ والآداب)

پس اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کا بہترین نسخہ ہے کہ خدا کے بندوں کی حاجت روائی میں مصروف رہیں۔اللہ تعالیٰ اس عرصہ میں جس میں آپ بنی نوع انسان کی خدمت کر رہے ہوں آپ کی حاجت روائی فرماتا رہتا ہے۔

دوسری حدیث مسلم کتاب الذکر سے لی گئی ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کسی مسلمان کی دنیاوی بے چینی اور کرب کو دور کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی بے چینیوں اور تکلیفوں کو اس سے دُور کر دے گا۔

(مسلم کتاب الذکر باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن والذکر)

اس حدیث میں تو لفظ مسلمان ہے لیکن اسلام کی عمومی تعلیم یہی ہے کہ جہاں بھی دکھ ہ

اسے دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اس پہلو سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے دکھوں کو دور کرنے والوں کے دکھ دور فرمادیا کرتا ہے۔ پس اگلی حدیث میں یہاں مسلمان کا لفظ نہیں بلکہ عمومی لفظ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد پر کمربستہ رہتا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل)

ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! مَیں بیمار ہوا تھا، تُو نے میری عیادت نہیں کی تھی۔ وہ کہے گا تُو ربّ العالمین ہے مَیں تیری عیادت کس طرح کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے اور تُو نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تجھے یہ سمجھ نہ آئی کہ اگر تُو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! مَیں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تُو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہ کہے گا: اے میرے رب! تُو تو ربّ العالمین ہے، تمام جہانوں کو کھانا کھلانے والا ہے، مَیں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے علم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا اور تُو نے اُسے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ کیا تجھے یہ سمجھ نہ آئی کہ اگر تُو اسے کھانا کھلاتا تو گویا تُو نے مجھے یہ کھانا کھلایا ہوتا۔ پھر فرمایا: اے ابن آدم! مَیں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تُو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ وہ کہے گا: اے میرے ربّ! تو ربّ العالمین ہے، مَیں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا۔ تُو نے اسے پانی نہیں پلایا تھا۔ کیا تجھے یہ سمجھ نہ آئی کہ اگر تو اُسے پانی پلاتا تو گویا تُو نے یہ پانی مجھے پلایا ہوتا۔(صحیح مسلم کتاب البرّ والصلۃ)

یہ بہت پُرمعرفت کلام ہے اور اللہ کو کھانا کھلانا، پانی پلانا تو بندے کے لئے ممکن نہیں مگر اللہ کے بندوں کی جب انسان حاجت روائی کرتا ہے اور ان کی خدمت میں مستعد ہوتا ہے تو گویا اس نے اپنے ربّ کی خدمت کی۔

چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ تین باتیں ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں اللہ اس پر اپنا دامنِ (رحمت) پھیلا دے گا اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔ اوّل کمزوروں پر رحم کرنا، دوسرے والدین سے محبت و شفقت کرنا، تیسرے خادموں اور نوکروں سے احسان کا سلوک کرنا۔

(سنن ترمذی باب صفۃالقیامۃ)

ترمذی کتاب الجہاد میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو کیونکہ ضرور تم اپنے کمزوروں اور غریبوں کی وجہ سے ہی رزق دئے جاتے ہو اور مدد پاتے ہو۔

(ترمذی کتاب الجہاد .باب ما جاء فی الاستفتاح بصعالیک المسلمین)

یہ ایسی بات ہے جو عموماً انسان نظرانداز کردیتے ہیں۔ یہ غرباء ہی ہیں جو امیروں کے رزق کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ہر پہلو سے دیکھ لیں جب تک غرباء کی خدمت نہ ہو اس وقت تک امیروں کو روپیہ کمانے کا کوئی موقعہ نہیں مل سکتا۔ پس غریبوں کی محنت کی کمائی ہی تم امیر لوگ کھاتے ہو اور بھول جاتے ہو۔ اگر غریبوں کو ضرورت پڑتی ہے تو ان سے منہ پھیر لیتے ہو۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ پس اپنے

غریبوں کی خدمت کرو کیونکہ انہی کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جارہا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمام مخلوقات اللہ کی عیال ہیں“۔ اللہ کے تو بچے کوئی نہیں مگر مخلوقات اللہ کی عیال ہیں یہ ایک بہت ہی پیارا جملہ ہے اس پہلو سے کہ جس طرح آپ لوگ اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں اسی طرح اللہ بھی آپ سے پیار کرتا ہے۔ ”پس اللہ تعالیٰ کو مخلوقات میں سے سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جو اس کے عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے“۔ (مشکوٰۃ . باب الشفقة والرحمة على الخلق)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس پر احسان کیا جاتا ہو۔ اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو۔

(سنن ابن ماجه . كتاب الادب . باب حق اليتيم)

ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں اپنے دل کی سختیوں کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا دل نرم ہو جائے تو مساکین کو کھانا کھلا اور کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھ۔

(مسند احمد بن حنبل ، باقی مسند المكثرين)

پس دوسروں کی ہمدردی کرنے والے کا دل از خود ہی نرم ہو جاتا ہے۔ اس کی کمزوریاں اس کو دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی غربت اس کے دل پر اثر کرتی ہے۔ پس ہمیشہ غریبوں کی خدمت سے انسان کی اپنی خدمت ہوتی ہے اور اس کی دل کی ہر قسم کی سختیوں کو اللہ دور فرما دیتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ مساکین کو محبوب رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھتے، ان سے گفتگو فرماتے۔ وہ آپ سے باتیں کرتے۔ آنحضور ﷺ آپ کو ابوالمساکین کی کنیت سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

(سنن ابن ماجه . كتاب الزهد . باب مجانسة الفقراء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں موت دے اور مجھے قیامت کے روز زمرۂ مساکین میں اٹھانا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی کہ کیوں یا رسول اللہ ﷺ؟ اس پر آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ مساکین اغنیاء سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ اے عائشہ! کسی مسکین کو نہ دھتکارنا خواہ تجھے کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ دینا پڑے۔ اے عائشہ! مساکین کو اپنا محبوب رکھنا اور انہیں اپنے قرب سے نوازنا، خدا تعالیٰ قیامت کے دن تجھے قرب سے نوازے گا۔

(ترمذی کتاب الزهد . باب ما جاء ان فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل اغنيائهم)

یہاں چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے اور بعض دوسری روایات میں سینکڑوں سال پہلے جنت میں داخل ہونے کا بھی ذکر ہے۔ تو یہ محاورے ہیں چالیس ہوں یا سینکڑوں ہوں جو بھی معنی ہوں مراد یہ ہے کہ غریبوں کی بخشش جلد ہو گی اور اللہ تعالیٰ ان سے حسن سلوک فرمائے گا۔ یہ طبعی بات ہے۔ جب آنحضور ﷺ کا دل غریبوں کے ساتھ ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی برکت ہی سے غریبوں کی بخشش پہلے ہو گی۔

یہ چند اقتباسات احادیث کے مَیں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں کیونکہ عیدوں کے موقعہ پر خاص طور پر اس بات کی یاددہانی کی ضرورت پڑتی ہے اور مَیں ہمیشہ یاددہانی کرواتا رہتا ہوں کہ اپنے غریب ہمسایوں اور بے کس اور مفلوک الحال لوگوں کی عید بنائیں تب آپ عید منا سکیں گے۔ جب ان کی عید بنائیں گے تو آپ کی عید بھی اللہ بنادے گا۔ اور اس میں بہت سی حکمتیں ہیں، بہت گہرے راز پوشیدہ ہیں اور اللہ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں اب یہ عادت راسخ ہوتی جارہی ہے کہ عید کے موقعہ پر وہ اپنے غریب بھائیوں کی غیر معمولی طور پر مدد کرتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اگر اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا ہے تو مسکینوں کے دل کے پاس تلاش کرو۔ اسی لئے پیغمبروں نے مسکینی کا جامہ ہی پہن لیا تھا۔ اسی طرح چاہئے کہ بڑی قوم کے لوگ چھوٹی قوم کو ہنسی نہ کریں اور نہ کوئی یہ کہے کہ میرا خاندان بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے پاس جو آؤ گے تو یہ سوال نہ کروں گا کہ تمہاری قوم کیا ہے بلکہ سوال یہ ہوگا کہ تمہارا عمل کیا ہے۔ اسی طرح پیغمبر خدا نے فرمایا ہے اپنی بیٹی سے کہ اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) خدا تعالیٰ ذات کو نہیں پوچھے گا، اگر تم کوئی برا کام کروگی تو خدا تعالیٰ تم سے اس واسطے درگزر نہ کرے گا کہ تم رسول کی بیٹی ہو۔ پس چاہئے کہ تم ہر وقت اپنا کام دیکھ کر کیا کرو''۔ (ملفوظات جلد سوم۔ صفحہ نمبر ۳۷۰۔ جدید ایڈیشن)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''دراصل خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرنا بہت ہی بڑی بات ہے اور خدا تعالیٰ اس کو بہت پسند کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ وہ اس سے اپنی ہمدردی ظاہر کرتا ہے۔ عام طور پر دنیا میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کا خادم کسی اس کے دوست کے پاس جاوے اور وہ شخص اس کی خبر بھی نہ لے تو کیا وہ آقا جس کا کہ وہ خادم ہے اس اپنے دوست سے خوش ہوگا؟ کبھی نہیں۔ حالانکہ اس کو تو کوئی تکلیف اس نے نہیں دی، مگر نہیں۔ اس نوکر کی خدمت اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک گویا مالک کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے۔ خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چڑ ہے''۔ یہ لفظ چڑ بندے کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ بندے چڑتے ہیں تو ان کے چڑنے کا مضمون اور ہے۔ جب اللہ کے متعلق چڑ کا لفظ استعمال کیا جائے تو اس کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے مگر بندوں کو سمجھانے کے لئے بندوں کی اصطلاحیں استعمال کرنی پڑتی ہیں۔ پس فرمایا'' خدا تعالیٰ کو بھی اس طرح پر اس بات کی چڑ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق سے سرد مہری برتے کیونکہ اس کو اپنی مخلوق بہت پیاری ہے۔ پس جو شخص خدا تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے وہ گویا اپنے خدا کو راضی کرتا ہے''۔ (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۱۵ تا ۲۱۶ جدید ایڈیشن)

پھر حضورؑ فرماتے ہیں:

''غرض نوع انسان پر شفقت اور اس سے ہمدردی کرنا بہت بڑی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے یہ ایک زبردست ذریعہ ہے۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ اس پہلو میں بڑی کمزوری ظاہر کی جاتی ہے۔ دوسروں کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ ان پر ٹھٹھے کئے جاتے ہیں۔ ان کی خبرگیری کرنا اور کسی مصیبت اور مشکل میں مدد دینا تو بڑی بات ہے۔ جو لوگ غرباء کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش نہیں آتے بلکہ ان کو حقیر سمجھتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ خود اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاویں۔ اللہ تعالیٰ نے جن پر فضل کیا ہے اس کی شکرگزاری یہی ہے کہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان اور سلوک

کریں اور اس خداداد فضل پر تکبر نہ کریں اور وحشیوں کی طرح غرباء کو کچل نہ ڈالیں۔"

(ملفوظات جلد چہارم. صفحہ۴۲۸،۴۳۹. جدید ایڈیشن)

پھر فرماتے ہیں:

"پھر مَیں دیکھتا ہوں کہ بہت سے ہیں جن میں اپنے بھائیوں کے لئے کچھ بھی ہمدردی نہیں۔ اگر ایک بھائی بھوکا مرتا ہو تو دوسرا توجہ نہیں کرتا اور اس کی خبر گیری کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ یا اگر وہ کسی اور قسم کی مشکلات میں ہے تو اتنا نہیں کرتے کہ اس کے لئے اپنے مال کا کوئی حصہ خرچ کریں۔ حدیث شریف میں ہمسایہ کی خبر گیری اور اس کے ساتھ ہمدردی کا حکم آیا ہے بلکہ یہاں تک بھی ہے کہ اگر تم گوشت پکاؤ تو شوربا زیادہ کرلو تاکہ اسے بھی دے سکو۔ اب کیا ہوتا ہے اپنا ہی پیٹ پالتے ہیں، لیکن اُس کی کچھ پروا نہیں۔ یہ مت سمجھو کہ ہمسایہ سے اتنا ہی مطلب ہے جو گھر کے پاس رہتا ہو بلکہ جو تمہارے بھائی ہیں وہ بھی ہمسایہ ہی ہیں خواہ وہ سو کوس کے فاصلے پر بھی ہوں"۔(ملفوظات جلد چہارم صفحہ۲۱۵. جدید ایڈیشن)

اب تو سو کوس کا محاورہ جو ہے وہ ہزاروں کوس میں بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو پاکستان میں دکھ اٹھا رہے ہیں۔ ان کے بھائی امریکہ یا کینیڈا یا جرمنی وغیرہ میں یا انگلستان میں موجود ہوں۔ اگر ہزاروں کوس کے فاصلے پر وہ ان کی ہمدردی نہیں کرتے اور ان بھوکوں کی خبر گیری نہیں کرتے تو انہوں نے اسلام کے ایک بنیادی اصول کو نظر انداز کر دیا۔ پس اپنے بھائیوں کو خواہ وہ ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہوں ہمیشہ ہمدردی کی نظر سے دیکھو اور جو خدمت بھی خدا تمہیں توفیق دے ان کی کرتے رہا کرو۔

پھر فرماتے ہیں:

"غرض اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔ جو شخص نوع انسان کے ساتھ اخلاق سے پیش آتا ہے خدا تعالیٰ اس کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔ جب انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک کام کرتا ہے اور اپنے ضعیف بھائی کی ہمدردی کرتا ہے تو اس اخلاص سے اس کا ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نمائش اور نمود کے لئے جو اخلاق برتے جائیں وہ اخلاق خدا تعالیٰ کے لئے نہیں ہوتے اور ان میں اخلاص کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اس طرح پر تو بہت سے لوگ سرائیں وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی اصل غرض شہرت ہوتی ہے۔ اور اگر انسان خدا تعالیٰ کے لئے کوئی فعل کرے تو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ اُسے ضائع نہیں کرتا اور اس کا بدلہ دیتا ہے"۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۲۱۲.جدید ایڈیشن)

اس سے پہلے بھی یہ ایک حدیث گزر چکی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ چھوٹے کی جب تم خدمت کرو تو وہ اگر شکریہ بھی ادا کرے تو شکریہ بھی قبول نہ کرو اور کہہ دیا کرو کہ ہم تو اللہ کی رضا کی خاطر یہ کرتے ہیں۔ ﴿ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا﴾۔ ہم تو تم سے کسی قسم کی جزا اور کوئی بھی شکریہ نہیں چاہتے۔ پس اصل خدمت وہی ہے جو خدا کی رضا کی خاطر ہو اور بندوں کے شکریہ کا اس خدمت سے کوئی بھی تعلق نہیں بلکہ شکریہ ادا کریں تو احسان کرنے والا شرمندہ ہوتا ہے اور ان الفاظ میں اس کو توجہ دلاتا ہے کہ تمہاری نہیں بلکہ خدا کی خاطر مَیں نے یہ کام کیا ہے۔

صدقۃُ الفِطر

رمضان المبارک ایک نہایت بابرکت مہینہ ہے جس میں اگر انسان کوشش کرے اور رمضان المبارک کی صحیح حقیقت سے آگاہ ہو کر اس پر عمل کرے تو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کا عرفان حاصل کر سکتا ہے۔ روزہ صرف بھوکا رہنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ روزہ دار روزہ رکھ کر ان غریب اور مسکین لوگوں کے احتیاج کو بخوبی سمجھ سکتا ہے جو نان شبینہ کے حاصل کرنے میں کسی وجہ سے قاصر ہیں۔ اور ان کو روزی میسر نہ آنے کی وجہ سے فاقہ کشی کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اور سردی گرمی سے بچنے کے لئے سامان نہیں پاتے۔ چونکہ روزہ دار روزہ رکھ کر ایک ماہ کے تجربے سے بھوک کی تکلیف کا پوری طرح احساس کر چکے ہوتے ہیں اور غریب اور مسکین کی فاقہ کشیوں کی تکلیف کا سمجھنا ان کے لئے مشکل نہیں رہتا اور غرباء و مساکین کو کھانا پہنچانے کا خیال ان کے لئے ایک طرح لازمی ہو جاتا ہے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے غرباء و مساکین کی امداد اور ہمدردی کے لئے صدقہ و خیرات کی خاص طور پر تاکید کی اور اس احساس کا زندہ اور عملی ثبوت دینے کے لئے مسلمانوں پر صدقۃ الفطر کا ادا کرنا فرض قرار دیا۔ تاکہ وہ روزہ کے ثواب سے پوری طرح متمتع ہو سکیں اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر کثرت اور شدت کے ساتھ ایسا عمل کر کے دکھلایا ہے کہ مسلمانوں کو تو اس پر دوام حاصل کر کے ہمیشہ کے لئے غریب اور بے کسوں کے ہمدرد بنے رہنے کا خیال رکھنا ضروری ہو گیا ہے۔ ایسے غریب اور مساکین کی امداد کے لئے صدقہ و خیرات کے مستقل و عارضی امداد کے بہت سے ذرائع ہیں۔ ہر ایک انسان صدقہ و خیرات اپنی وسعت کے مطابق جس حد تک کرنا چاہے اور جب کرنا چاہے اس کے سامان وسیع ہیں۔ لیکن بالالتزام امداد کے ذرائع میں سے صدقۃ الفطر بھی ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ صدقۃ الفطر کے متعلق مسلمان اس کے احکام سے واقف ہوں۔ اس لئے ذیل میں صدقۃ الفطر کے متعلق ضروری مسائل بیان کئے گئے ہیں تا احباب اس سے آگاہ ہو کر عملدر آمد میں سعی فرمائیں۔

☆...... صدقۃ الفطر ہر ایک طبقہ کے انسان پر یکساں واجب ہے جس کا ادا کرنا ہر ایک مرد، عورت، بچے، بوڑھے، آزاد، غلام پر ضروری ہے۔ جو خود ادا نہ کر سکتا ہو اس کی طرف سے ادا کرنے کا اس کو ذمہ دار قرار دیا ہے جو ان کے اخراجات کا ذمہ دار اور کفیل ہو۔

☆...... یہ صدقہ عید سے پہلے پہلے ادا کرنا ضروری ہے تا مستحق غرباء اور مساکین کے کام آ سکے۔

☆...... صدقۃ الفطر میں گندم، جو، منقہ، پنیر، انگور، کھجور وغیرہ دی جا سکتی ہے۔

☆...... فطرانہ کی مقدار ایک صاع ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانہ کا ایک پیمانہ ہے جس میں تین سیر پختہ غلہ آتا ہے۔ نصف صاع بھی دینا جائز ہے لیکن مستحب پورا صاع ہے۔

☆...... صدقۃ الفطر میں جنس کی بجائے اس کی قیمت بھی دی جا سکتی ہے۔

برطانیہ میں فطرانہ کی شرح ڈیڑھ پاؤنڈ فی کس ہے۔ ہر ملک میں جماعت مقامی حالات کے مطابق فطرانہ کی شرح مقرر کرتی ہے۔

جمعتہ الوداع یا جمعتہ الاستقبال

اصل تقدس جمعہ کا ہے یا نمازوں کا؟ بے شمار لوگوں کے لئے ایک فکر انگیز تحریر

"جمعتہ الوداع کے متعلق جو یہ تقدس کا تصور ہے یہ میں نہیں جانتا کب سے شروع ہوا۔ لیکن جمعتہ الوداع کے تقدس کا جو تصور ہندوستان اور پاکستان اور دنیا کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے اس کی تاریخ بہت گہری دکھائی دیتی ہے ایک لمبے عرصے سے روایتاً اس تقدس کے قصے چل رہے ہیں۔ اس خیال سے میں نے سوچا کہ اس دفعہ جب رمضان المبارک کے جمعتہ الوداع پر آپ سے بات کروں تو احادیث میں سے اس جمعے کی برکتوں کا ذکر نکال کر بطور خاص تحفہ آپ کے سامنے بیان کروں۔ لیکن بہت علماء بٹھائے، بہت کتابیں حدیثوں کی دیکھیں اشارۃً بھی کہیں جمعتہ الوداع کا ذکر نہیں ملتا۔ جمعہ کی برکتوں سے متعلق مضامین احادیث میں بکثرت ملتے ہیں۔ لیکن ہر جمعے کی برکت سے متعلق وہ مضامین ملتے ہیں مگر یہ تصور کہ گویا مسلمان ایک آخری جمعہ کا انتظار کر رہے ہوں اور اس جمعہ میں برکتیں ڈھونڈنے کے لئے بے چین اور بے قرار ہوں، یہ تصور احادیث نبویؐ میں، سنت میں، کہیں اشارۃً بھی مذکور نہیں۔

ہاں آخری عشرہ کی برکتوں کا ذکر بہت کثرت سے ملتا ہے اور جمعہ کی برکتوں کا سارے سال میں، جہاں بھی، جب بھی، جمعہ آئے اس کی برکتوں کا ذکر ملتا ہے۔ پس یہ بات میں آپ کے ذہن نشین کرنا چاہتا ہوں کہ وہ...... بھائی خواہ وہ جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے۔ جن کو بدنصیبی سے نماز پڑھنے کی عادت نہیں، جو سال میں ایک ہی مقدس دن کی تلاش میں تھے اور آج اس دن کی خاطر غیر معمولی طور پر (بیوت الذکر) میں اکٹھے ہوگئے ہیں ان تک یہ میری آواز پہنچے گی اور آج پہنچے گی۔ پھر شاید نہ پہنچے کیونکہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دوبارہ ان کو پھر (بیوت الذکر) میں آنے کی توفیق ملتی ہے کہ نہیں۔ لیکن اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں ان کو بتاتا ہوں کہ جمعتہ الوداع کا کوئی خاص تقدس نہ قرآن میں مذکور ہے نہ احادیث میں مذکور ہے۔ نہ سنت سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام کے عمل سے بعد میں ثابت ہے۔ پس جس دن کا آپ نے انتظار کیا تھا وہ تو اس پہلو سے خالی نکلا۔ لیکن جمعتہ المبارک کے تقدس کا بہت ذکر ملتا ہے۔ قرآن میں بھی ملتا ہے۔ احادیث میں بھی ملتا ہے اور یہ ہر جمعہ ہے جو ہر ہفتے آپ کے سامنے آتا ہے۔ اس کے علاوہ نمازوں کے تقدس کے ذکر سے تو قرآن بھرا پڑا ہے۔ جمعتہ الوداع تو سال میں ایک دفعہ آتا ہے۔ جمعتہ المبارک ہر ہفتے آتا ہے اور نماز دن میں پانچ مرتبہ آتی ہے۔ اور اس پانچ مرتبہ آنے والی چیز کا اس کثرت سے قرآن میں ذکر ہے کہ کسی اور عبادت کا اس طرح ذکر نہیں ہے۔ تو برکتوں سے بھرا ہوا نیک اعمال کا خزانہ ہے اس سے تو منہ موڑ لیتے ہو اور سارا سال ایک جمعے کا انتظار کرتے ہو۔ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اس جمعے کی کوئی اہمیت کہیں مذکور نہیں تو کم سے کم اس جمعے سے یہ برکت تو حاصل کر جاؤ، یہ جان لو کہ عبادت ہی میں برکت ہے۔ عبادت ہی میں خدا تعالیٰ کے فضل ہیں۔ عبادت ہی سے اس کی رضا وابستہ ہے۔ عبادت ہی سے دنیا کی خیر اور آخرت کی خیر وابستہ ہے۔ اور مومن کے لئے عبادت ہر روز پانچ مرتبہ فرض کی گئی ہے۔ روز مرہ کی زندگی میں جب آپ (بیوت الذکر) کے پاس سے گزرتے ہیں تو اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ (بیت الذکر) بہت بڑی ہیں اور یوں لگتا ہے کہ جیسے بے وجہ اتنی بڑی (بیوت الذکر) بنا دی گئی ہیں۔ لیکن آج وہ دن ہے جب آپ کسی (بیت الذکر) کے پاس سے گزر کے دیکھیں تو آپ یہ دیکھ کر حیران ہوں گے کہ (بیوت الذکر) سے نمازی چھلک چھلک کر باہر آ گئے ہیں۔ گلیاں بھر گئی ہیں۔ بعض بازار بند کرنے پڑے ہیں۔ لاہور ہو، کراچی ہو یا دنیا کے اور بڑے بڑے شہر، وہاں (بیوت الذکر) کے باہر جو بازار یا ملحقہ گلیاں ہیں وہاں بعض دفعہ دیکھیں گے کہ سائبان لگائے گئے ہیں اور جگہ جگہ بلاک کر کے سڑکوں کو بند کیا گیا ہے کہ آج یہاں نمازی نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ وہ نمازی ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ کو توقع ہے کہ ہر روز پانچ وقت جہاں

(بیت الذکر) میسر آئے وہاں جاکر نماز پڑھیں گے۔ اب اس سے آپ اندازہ کریں کہ ایک وہ تصور ہے جو قرآن اور سنت کا ہے عبادتوں کے متعلق، رحمتوں اور برکتوں کے متعلق رضوان اللہ کے متعلق؛ اور ایک وہ ہے جو عام دنیا میں رائج ہے اور...... سمجھتے ہیں کہ یہی ایک گر ہے نجات پانے کا۔ ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔

حقیقی نجات خدا کی اطاعت میں ہے اور خدا کی اطاعت عبادت کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔ عبادت پہلا دروازہ ہے جو اطاعت کے لئے قائم فرمایا گیا ہے۔ اس دروازے سے داخل ہو گے تو پھر ساری اطاعتوں کی توفیق میسر آ سکتی ہے۔ جس نے یہ دروازہ اپنے پر بند کر لیا اس کے لئے کوئی اطاعت نہیں ہے۔ نماز کی اہمیت کے اوپر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے اتنا زور دیا ہے اور پھر نماز باجماعت کی اہمیت پر کہ ایک موقعہ پر صبح کی نماز کے بعد آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو اس وقت بھی (صبح کی نماز کے وقت) کچھ لوگ ہیں جو گھروں میں سوئے پڑے ہیں اور اگر خدا کی طرف سے مجھے اجازت ہوتی تو میں یہ باقی جو نمازی تھے ان کے سروں پر لکڑیوں کے گٹھے اٹھواتا اور ان کو ان کے گھروں میں جلا دیتا۔ مگر مجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ میں داروغہ نہیں بنایا گیا۔

اب حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ سے بڑھ کر شفیق دل آپ کو دنیا میں ڈھونڈے سے کہاں ملے گا تصور میں نہیں آ سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے عزیز علیہ ما عنتم یہ فرما کر فرمایا بالمومنین روف رحیم جب بھی خدا کے بندوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ یعنی اے لوگو! خدا کے بندو! عزیز علیہ ما عنتم اس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے یہ خطاب کا پہلا حصہ عام ہے۔ پھر فرمایا جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے بالمومنین روف رحیم وہ تو جیسے اللہ اپنے بندوں پر روف اور رحیم ہے، جیسے اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور بار بار رحم لے کر آتا ہے اس طرح مومنوں پر تو یہ رسول روف بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ اس رسول کے منہ سے یہ کلمہ نکلا ہے کہ اگر مجھے یہ اجازت ہوتی تو میں لکڑیوں کے گٹھے اٹھوا کر ان نمازیوں کو ساتھ لے کر چلتا اور جو بے نماز ہیں ان کو ان کے گھروں میں جلا دیتا۔

دراصل اس میں ایک پیغام ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو عبادت نہیں کرتے وہ آگ کا ایندھن ہیں اور بہتر ہے کہ اس دنیا میں جل جائیں بہ نسبت اس کے کہ مرنے کے بعد کی آگ میں ڈالے جائیں۔ یہ حقیقی پیغام ہے اور عبادت ہی ہے جس کے ساتھ ساری نجات وابستہ ہے۔ پس وہ لوگ جو آج اس جمعے کی برکت ڈھونڈنے کے لئے جوق در جوق (بیوت) کی طرف آئے ہیں ان کو اندر جگہ نہیں ملی تو باہر گلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان سب تک، جن تک بھی یہ آواز پہنچے، میں یہ پیغام پہنچاتا ہوں کہ ہماری عبادت روزمرہ کی پانچ وقت کی عبادت ہے۔ اور ہر دفعہ جب اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو مومن کا فرض ہے کہ اپنے گھروں کو چھوڑے اور اس بیت کی طرف چل پڑے جہاں سے عبادت کے لئے بلایا جا رہا ہے حی علی الصلوہ حی علی الصلوہ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ پانچ مرتبہ یہ آوازیں سنتے ہو کہ دیکھو نماز کی طرف چلے آؤ۔ نماز کی طرف چلے آؤ۔ کامیابیوں کی طرف چلے آؤ۔ کامیابیوں کی طرف چلے آؤ۔ اور پھر بھی جواب نہیں دیتے۔ پس وہ لوگ جن کو (بیوت) تک پہنچنے کی توفیق ہے اور توفیق کا معاملہ بندے اور خدا کے درمیان ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں کو توفیق ہے یا نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایک بیماری دوسرے کو دکھائی دے نہیں سکتی۔ ایک آدمی کہتا ہے کہ میں بیمار ہوں وہیں انسان کا قدم رک جانا چاہئے کہ ٹھیک ہے اگر تم بیمار ہو تو تمہارا معاملہ تمہارے خدا کے ساتھ اور ہمارا معاملہ ہمارے خدا کے ساتھ۔ لیکن ہر شخص خود جانتا ہے کہ اسے توفیق ہے کہ نہیں۔ پس جسے بھی توفیق ہے اس کا فرض ہے کہ پانچ وقت (بیوت) میں جا کر عبادت بجا لائے اور اگر پانچ وقت (بیوت) میں نہیں جا سکتا تو جہاں اس کو توفیق ہے وہیں (بیت) بنا لے۔ جہاں اس کے لئے ممکن ہو باجماعت نماز پڑھے یا پڑھائے اور اپنے ساتھ اپنے عزیزوں کو یا دوسروں کو اکٹھا کر لے تاکہ اس کی نمازیں باجماعت ہو جائیں۔ جو شخص اس بات کا عادی ہو جائے گا جس کے دل میں ہر وقت یہ طلب اور بے قراری ہو کہ میری ہر نماز باجماعت ہو جائے اس کے لئے یہ خوشخبری ہے کہ وہ نمازیں جو باجماعت ممکن نہیں ہوں گی ان کے متعلق حضرت محمد رسول اللہ

ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر وہ اذان دے کر باجماعت نماز کی نیت سے کھڑا ہو جائے گا تو کوئی اور اس کے ساتھ شامل ہونے والا نہ بھی ہو گا تو اللہ آسمان سے فرشتے اتارے گا وہ اس کے پیچھے نماز ادا کریں گے اور اس کی نماز، نماز باجماعت ہی رہے گی۔ تو یہ وہ برکت ہے جو ہر روز پانچ دفعہ آپ کے سامنے آتی ہے، اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور سال میں ایک دفعہ جو جمعہ آ رہا ہے اس کی طرف توجہ ہے کہ وہی دن ہمارے گناہ بخشوانے کا دن ہے۔ اور کیا پتہ کوئی کس دن مرتا ہے یہ بھی تو سوچو! کیا ضرور جمعے کے معاً بعد بخشوانے کے بعد ہی تم نے مرنا ہے۔ حالانکہ جمعۃ الوداع کے ساتھ کسی بخشش کا ذکر مجھے تو نہیں ملا۔ لیکن اگر ہو بھی تو سال میں جو باقی تین سو چونسٹھ دن پڑے ہیں۔ ان دنوں میں عزرائیل بے کار کب بیٹھتا ہے۔ کیا مقدر اور لازم ہے کہ تم جمعے کے دن بخشش کروانے کے بعد مرو گے!! پس موت تو ہر وقت آ سکتی ہے۔ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ کوئی دن مقرر نہیں۔ تو روز مرہ کی پانچ وقت کی نمازیں اس لئے آتی ہیں کہ تم بخشی ہوئی حالت میں، دھلی ہوئی پاک حالت میں یہاں سے روانہ ہو۔

پس اس پہلو سے جماعت کو میں نماز باجماعت کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور وہ دوسرے مسلمان بھائی بھی جو رفتہ رفتہ ہمارے جمعہ میں ٹیلی ویژن کے ذریعے شامل ہو رہے ہیں اور یہ رجحان دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے ان کو بھی میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ خود بھی اس طرف توجہ فرمائیں اور اپنے بھائی بندوں کو، دوسروں کو بھی یہ پیغام پہنچا دیں کہ روز مرہ کی پانچ وقت کی نمازوں کا قیام کرنا، یہ قرآن کریم کے پیغامات کی جان ہے اور اگر....... اس بات پر قائم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تمام دنیا...... کی اصلاح کا ایک ایسا نظام جاری ہو جائے گا جس سے خدا کے فضل سے (دین حق) کو وہ پرانی کھوئی ہوئی ظاہری عظمت اور شوکت بھی مل جائے گی کیونکہ ظاہری عظمت اور شوکت کا اصل تعلق اندرونی روحانی عظمت اور شوکت سے ہے۔ اگر اندرونی روحانی عظمت اور شوکت بحال ہو جائے تو ظاہری عظمت نے پیچھے آنا ہی آنا ہے۔ اگر اندرونی روحانی عظمت اور شوکت بحال نہ ہو تو ظاہری شوکت کے پیچھے آپ جتنا چاہیں چکر لگائیں کچھ حاصل بھی کر لیں گے تو بے معنی ہوگی، بے روح کے جسم ہوگا۔ خدا کے نزدیک اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ پس اپنے اندرونوں کو سنواریں اور اندرونی عظمت کے پیچھے دوڑیں۔ اللہ تعالیٰ وہ عظمت عطا فرمائے جس کے متعلق خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم تم میں سب سے معزز انسان وہ ہے، سب سے عظیم شخص وہ ہے اور اللہ کی نظر میں ہے جو زیادہ متقی ہو۔ پس تقویٰ کے تقاضے تو عبادت کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اس طرف توجہ فرمائیں گے۔

جمعہ کے دن جو برکتوں کا ذکر ملتا ہے وہ میں آپ کے سامنے ایک حدیث سے اس کی مثال رکھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ روایت ابولبابہ بن عبد المنذر کی۔ سنن ابن ماجہ باب فی فضل الجمعہ سے لی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے پاس اس کی بڑی عظمت ہے اور وہ اللہ کے نزدیک یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی زیادہ عظمت والا ہے۔"

اب یہ وہی بات ہے کہ جمعۃ الوداع کے علاوہ عیدین کی بڑی عظمت ہے مگر آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ عیدین سے زیادہ ہر جمعہ کی عظمت خدا تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس میں پانچ خوبیاں ہیں۔..........

اسی دن وہ ساعت ہے کہ بندہ اللہ سے سوال نہیں کرتا مگر اللہ اسے وہ سب کچھ عطا کرتا ہے جب تک کہ وہ کسی حرام کے متعلق نہیں مانگتا۔ جمعے کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ فیض عام کی گھڑی ہے اس گھڑی میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی انکار نہیں ہوتا مگر حرام مطالبے کا۔ حرام دعا کا۔ پس اگر تمہاری دعائیں نیک ہیں تو جمعے کے دن خصوصیت سے دعائیں کیا کرو اور یہ پیغام ان کے لئے ہے جو جمعہ پر حاضر ہوتے ہیں۔ جمعہ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور ہر وقت کوشش رہتی ہے کہ ان موانع کو جو جمعہ کے رستے میں حائل ہیں یعنی ان روکوں کو جن کی وجہ سے وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے کس طرح دور کریں۔

"اور جمعۃ الوداع کے تعلق میں کہ اس جمعے کا خیال کرو اس جمعے کا انتظار کرو۔ اس دن جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو آخری جمعہ ہوگا، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ

ساری امت محمدیہ میں یہ بات رواج پا چکی ہے اور بڑے اہتمام کے ساتھ وہ لوگ بھی جنہوں نے سارا سال نماز نہ پڑھی ہو' وہ جمعۃ الوداع کے دن اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ (بیوت الذکر) بھر کر اچھل پڑتی ہیں یعنی وہاں سے نمازی چھلک کر باہر نکل آتے ہیں۔ گلیوں میں تمبو تان لئے جاتے ہیں۔ بازار بند ہو جاتے ہیں اور ہر طرف ایک عظیم منظر دکھائی دیتا ہے عبادت کرنے والوں کا جو دیکھنے میں بہت اثر ڈالتا ہے۔ لیکن جو دردناک پہلو ہے' وہ یہ ہے کہ کہتے تو ہیں کہ خدا کی عبادت کے لئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں اور خاص برکتیں حاصل کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں مگر جمعۃ الوداع کو اس طرح وداع کہتے ہیں کہ جمعوں کو ہی وداع کہہ جاتے ہیں اور جمعوں سے بھی چھٹی' نمازوں سے بھی چھٹی اور اگلے جمعے جا کر دیکھیں تو بازار ہی خالی نہیں' (بیوت الذکر) بھی خالی ہو چکی ہوتی ہیں۔ اور حیرت ہوتی ہے وہ لوگ آئے کہاں سے تھے؟ گئے کہاں؟ جو شمع کا پروانہ ہونے کے دعوے دار تھے۔ پروانے تو ہر رات میں جب شمع جلتی ہے پھر بھی آ جاتے ہیں۔ ان کا عشق تو اس سے ثابت ہے کہ وہ اپنی جان نچھاور کر دیتے ہیں۔ جل جاتے ہیں مگر ان کی محبت کی شمع نہیں جلتی۔ وہ ہمیشہ روشن رہی ہے' ہمیشہ روشن رہے گی۔ تو یہ کیسی محبت ہے رمضان سے اور جمعۃ الوداع سے کہ آئے اور پھر اس طرح چلے گئے جیسے کبھی کوئی تعلق ہی قائم نہیں ہوا تھا۔ پس یہ ایک جذباتی بات ہے دیکھنے میں بہت ہی اثر پذیر منظر ہے کہ دیکھو کتنا عظیم جمعہ آیا ہے سارے بازار بھر گئے گلیاں بھر گئیں لیکن بعد کے آنے والے جمعہ کا بھی تو خیال کرو جب (بیوت الذکر) بھی خالی ہو چکی ہوں گی۔ وہی چند نمازی جو پہلے آیا کرتے تھے' وہی آئیں گے۔ شاید ان میں بھی کمی آ جائے کیونکہ وہ سمجھیں گے کہ ایک مہینہ خوب محنت کی ہے اب چند جمعے آرام بھی تو کر لیں۔ قرآن کریم جو منظر پیش کرتا ہے اس کے پیش نظر جیسا کہ میں نے بیان کیا اول تو جمعہ کا ذکر نہیں ہے۔ ذکر ہے تو رات کا ہے یا ذکر ہے تو سارے رمضان کا ہے۔......

آج جمعۃ الوداع ہے اور میں اس جمعہ کو جمعۃ الاستقبال بنانا چاہتا ہوں۔ یہ فرق ہے دو اصطلاحوں کا جو میں کھول دینا چاہتا ہوں۔ بکثرت ایسے لوگ ہیں جن کو اس جمعہ کا انتظار رہتا ہے جمعۃ الوداع کے طور پر۔ اور ایک میں ہوں جو کہ سارا سال اس کو جمعۃ الاستقبال بنانے کی خاطر میں انتظار کرتا ہوں۔ یہ کیا مسئلہ ہے؟ یہ میں کھول کر بات بیان کر دیتا ہوں کہ وہ لوگ جو جمعہ الوداع سمجھتے ہوئے یعنی اپنے جمعہ کو چھٹی دے دی جائے ہمیشہ کے لئے نیکیوں کو چھٹی دیدی جائے' روزوں کو چھٹی دے دی جائے۔ ذکر الٰہی کو چھٹی دے دی جائے اور اسے وداع کر دیا جائے' اس نیت سے جو لوگ اس جمعہ میں شامل ہوتے ہیں وہ بکثرت ایسے ہیں۔ اگر بکثرت نہیں تو ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کو عام طور پر نہ نمازوں کی توفیق ملتی ہے۔ نہ جمعوں کی توفیق ملتی ہے۔ نہ ذکر الٰہی کی توفیق ملتی ہے۔ نہ نیک باتیں سننے کا موقع میسر آتا ہے۔ نہ نیک صحبتوں میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے اپنے ہی ہمجولی ہیں انہی میں پھرتے ہیں۔ ان میں وہ ایک آزادی محسوس کرتے ہیں اور ان کے اوپر ان لوگوں میں بیٹھنے سے کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑتا جو نیکی کی طرف بلانے والا ہو۔ پس وہ ان کی طرف بہتے ہیں اور بہتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ ایک جمعہ ہے جس میں ان کی فطرت نے ان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ یہاں نیکی کی خاطر آئیں اور نیک لوگوں میں بیٹھیں۔ پس ان کا ایک ہی سہارا ہے کہ یہ جمعہ آخر گزر ہی جائے گا تا' وداع کا جمعہ ہے جسے ہم نے رخصت کرنا ہے۔ جس طرح بچے 'ٹاٹا' کہتے ہیں تو یہ لوگ 'ٹاٹا' کرنے آئے ہیں اور ان کو پکڑنے کا میں انتظار کر رہا تھا اس لئے میرے لئے استقبال ہے۔ میں ان لوگوں کا استقبال کرتا ہوں اور اس پہلو سے یہ جمعہ میرے لئے جمعۃ استقبالیہ ہے۔ میں ان کا استقبال کرتا ہوں۔ سارا سال اس انتظار میں رہتا ہوں کہ یہ آئیں اور کچھ تو نیکی کی باتیں ان کے کانوں میں پڑیں۔ کچھ تو آنکھیں کھلیں۔ یہ تضاد ہے ان دو باتوں میں کہ ایک پہلو سے یہ وداع ہے اور ایک پہلو سے استقبال ہے لیکن حقیقت میں تضاد کوئی نہیں' زاویہ نگاہ کا فرق ہے۔

جمعۃ الوداع کا غلط تصور

پس اگر انسان جن کو بڑا سمجھتا ہو ان کے ساتھ یہاں تک سلوک کرتا ہے۔ اگر واقعتاً خدا پر یقین ہو اور خدا کو حقیقتاً بڑا سمجھتا ہو تو کیسے ممکن ہے کہ خدا کی بڑائی سے تو مونہہ موڑے رکھے اور خدا کی طرف ہمیشہ روزانہ جب بھی نماز کا وقت آئے پیٹھ پھیر کر دنیا کی طرف چلا جائے اور پھر بھی اس کا خدا پر یقین

قائم اور خدا کو بڑا سمجھ رہا ہے۔ پس یہ جھوٹ ہے۔ یہ جھوٹ
کی زندگی ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہونا اس لئے ضروری ہے کہ
امر واقعہ یہ ہے کہ جانا پھر وہیں ہے جس خدا نے ہمیں پیدا کیا
جہاں سے ہم آئے تھے اور جو نعمتیں ہمیں عطا ہوئیں، اسی خدا
نے عطا فرمائیں جو رب العالمین ہے اور ان نعمتوں کے حصول
کے باوجود ناشکری کی زندگی تو بہت ہی ناپسندیدہ زندگی ہے۔

ایک طرف دنیا کا انسان جو تمہیں کچھ دے سکتا ہے بسا
اوقات نہیں بھی دیتا تو اس کی چوکھٹ پر سر پٹکتے چلے جاتے ہو۔
کتنے سیاستدان ہیں جنہوں نے دنیا کو، واقعتاً اپنے پیچھے چلنے
والوں کو کچھ عطا کیا ہے۔ صرف ایک فخر ہی کا احساس ہے۔ یہ
یقین ہے کہ ہم بڑے ہیں کیونکہ ہمارا دوست بڑا ہے۔ ہم اس
کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں مگر دیتے کب ہیں کچھ۔ اللہ تعالیٰ جو
رب العالمین ہے جس نے تمہاری زندگی کے سارے سامان پیدا
فرمائے اس کا شکر کا تصور تک تمہارے دل میں پیدا نہیں ہوتا۔
اس کی عبادت کو یہ سمجھتے ہو کہ اتنا بوجھ ہے کہ مصیبت پڑگئی ہے
اس لئے سال کا ایک جمعہ بھی اس لئے پڑھا جاتا ہے کہ چلو سارا
سال نہ سہی اس ایک جمعہ سے ہی خدا تعالیٰ راضی ہو جائے گا۔
نہ کوئی خرچ کرنا پڑا نہ کوئی مصیبت اٹھانی پڑی مفت کا یار کمایا گیا
اور کیا چاہئے۔

اور دراصل بہت سے علماء بدقسمتی کے ساتھ لوگوں کو اس
طرف ان غلط راہوں کی طرف لے جاتے ہیں یہ تصور پیش
کرتے ہیں کہ خدا تو بڑا رحیم و کریم ہے کیا مصیبت پڑی ہے اس
کی راہ میں محنتیں کرنے کی۔ جمعۃ الوداع میں اگر تم چلے جاؤ
اور جمعہ کے بعد عصر تک دعائیں کرو تو تمہاری سارے سال کی
خطائیں ہی نہیں، ساری زندگی کی خطائیں معاف ہو جائیں گی۔
پس جمعۃ الوداع کی برکتیں، اس کی عظمتیں بیان کر کر کے وہ بے
وقوفوں کی عقلیں مار دیتے ہیں، جو کچھ تھوڑی سی عقل ہے اس کا
بھی ستیاناس کر دیتے ہیں اور قرآن کریم کے اس مضمون سے
بالکل منافی تعلیم دے رہے ہیں۔

قرآن کریم فرماتا ہے کہ یاد رکھو عارضی طور پر اگر تم
میرے پاس آؤ گے میں سن بھی لوں گا تو یاد رکھنا اس کی کوئی
حقیقت نہیں ہوگی۔ میرے پاس آکر اگر میرے ساتھ تعلق پیدا
ہو جائے تو پھر تم دائمی میرے ہو کر رہو گے۔ لیکن آئے اور چلے
گئے یہ قطعی اس بات کی دلیل ہے کہ تم اپنے وقتی فائدے کی
خاطر آئے تھے۔ تمہارا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
ان کے متعلق فرمایا ینبئکم بما کنتم تعملون اللہ
تعالیٰ تمہیں بتائے گا پھر کہ تمہارے اعمال کیا تھے۔ اور آخر
دوسری آیت میں یہ نتیجہ نکالا ہے۔ اے ایسے انسان انک من
اصحاب النار تو آگ کا ایندھن ہے اس کے سوا تیرا کوئی
مقدر نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ تو یہ نقشہ کھینچ کر آگ کا انجام دکھا
رہا ہو اور مولوی کہہ رہے ہوں کہ کوئی فکر کی بات نہیں۔
آنحضرت ﷺ سے محبت کا دعویٰ کر لو پھر جو چاہے کرتے پھرو
سب کچھ اجازت ہے۔ اور وہ گناہ جو خدا نہیں بخش سکتا وہ
آنحضرت ﷺ بخشوالیں گے۔ یہ تصور جس قوم کو دے دیا
جائے اس کا دین بھی گیا۔ اس کی دنیا بھی گئی۔ کچھ بھی باقی نہیں
رہتا۔

پس بحیثیت احمدی آپ بیدار ہوں۔ اگر آپ نمازیں
نہیں پڑھتے رہے تو یہ جمعہ خدا کرے آپ کے آئے
مگر آئے گا اس طرح کہ اس جمعہ کے بعد آپ کی کیفیت بدل
جائے پھر آپ ہمیشہ خدا ہی کے ہو جائیں یا ہونا شروع ہو
جائیں۔ خدا کا ہو جانا تو ایک بہت بڑا کام ہے۔ بہت ہی بڑا دعویٰ
ہے لیکن شروع ہو جانا تو کوئی مشکل کام نہیں۔ ایک سمت میں
آپ کچھ قدم اٹھائیں۔ تھوڑا بہت اس کی طرف رجوع کریں تو
باقی کام پھر اللہ خود سنبھال لیتا ہے۔ پس میں آپ کو سمجھاتا ہوں
کہ اللہ کی راہ میں سفر بڑا مشکل کام نہیں ہے۔ آج کے جمعہ کی
برکت سے آج اپنے لئے دعائیں کریں۔ ایک اپنے لئے لائحہ
عمل تجویز کریں اور اس فکر کے ساتھ آج جمعہ سے فارغ ہوں
کہ ہم اس جمعہ کی برکتوں کو باقی سال میں سنبھالنے کے
لئے کیا کریں گے۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۳۱مارچ تا۱۶اپریل ۱۹۹۶ء)

"یہ سارے مضامین سمجھیں اور اس سال یہ فیصلہ
کریں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ برائیوں کے
شہر کو چھوڑ کر نیکیوں کے شہر کی طرف حرکت شروع کر
دیں گے۔ پھر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ آپ کو یقین دلاتے ہیں
کہ جس حال میں بھی تم جان دو گے وہ خدا کے حضور مقبول انجام

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

رمضان اور حقیقی عید

دین حق ایک عالمگیر مذہب ہے۔ ہر طبقہ کے لوگوں کے لئے یہ ایک اسوہ مہیا کرتا ہے۔ یہ انسان کو خوشی و مسرت اور انسانی وجود کی نشوونما کے تمام سامان مہیا کرتا ہے۔ عید کیا ہے ؟اگر اس کے متعلق سوچیں تو ہمیں واضح نظر آتا ہے کہ مومنوں کی اصل عید تو اپنی محبوب ہستی خدا تعالیٰ اور اُس کے برگزیدہ رسولؐ سے ہی وابستہ ہے۔ انسان کو ہر اطمینان اُسی ذات سے تعلق رکھنے میں محسوس ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

"کہ سنو سنو خدا کے ذکر اور اسکی یاد سے ہی دل اطمینان پاتے ہیں" (سورۃ الرعد :29)

پس خدا کو پانے میں ہی حقیقی خوشی ہے اور یہی عید کا فلسفہ ہے اور یہی سبق رمضان المبارک ہمیں دیتا ہے ۔جس کے بعد عید الفطر آتی ہے۔ خدا کی خاطر ہم اپنی جائز اور حلال چیزوں کو بھی صرف خدا کے لئے ترک کرتے ہیں اور دن رات اس کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ ان عبادتوں کے نتیجہ میں خدا یہ اعلان کرتا ہے کہ میں روزہ دار کی جزا بن گیا ہوں۔ اس خوشی کے اظہار کے لئے بطور نشان عید کا دن رکھا گیا۔ مگر یہ عید دنیاداروں کی عید نہیں بلکہ خدا والوں کی عید ہوتی ہے اور وہی اس کی حقیقی خوشیاں پاتے ہیں۔ غرباء کے گھروں میں جاتے ہیں۔ بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے ہیں۔ اجتماعی نماز ادا کرتے ہیں اور تمام مومنین محبت اور بھائی چارہ کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے ہیں۔ عید کی نماز کے لئے حضور ﷺ اتنی تاکید فرماتے تھے کہ :-

"حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں ارشاد فرماتے تھے کہ دونوں عیدوں کے وقت سب لوگ بچے اور عورتیں بھی عید پر جائیں"۔ یہانتک کہ بیمار عورتوں کو بھی عید کے خطبے اور دعا میں شریک ہونے کا حکم ہوتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ آنحضورؐ کے دور میں عید کس طرح منائی جاتی تھی۔

عید کے دن اچھے کپڑے پہننا

عید کے دن خوشبو لگانا اور اچھے کپڑے پہننا احادیث سے ثابت ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضورؐ کو ایک خوبصورت جُبّہ تحفے میں بھجوایا تھا کہ آپ اسے عیدین کے موقع پر زیب تن فرمایا کریں۔

عید کے دن تفریحی پروگرام

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (عید کے دن) آنحضورؐ تشریف لائے اور دو لڑکیاں گانا گا رہی تھیں۔ آپؐ نے انہیں منع نہ فرمایا بلکہ حضرت ابوبکرؓ نے ان بچیوں کو ڈانٹا تو حضورؐ نے ان کو روکا کہ انہیں کچھ نہ کہو۔ اس دن حبشی لوگ اپنے روایتی کھیل کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا

تم دیکھنا چاہتی ہو؟ کہا ہاں! چنانچہ آپؐ نے حضرت عائشہ کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور یہ کھیلیں دکھائیں جب کچھ وقت گزر گیا تو فرمایا- تھک گئی ہو- کہا ہاں' فرمایا جاؤ-

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

عید کس طرح پڑھتے تھے

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن چند کھجوریں کھا کر نماز کے لئے جاتے تھے-

حضرت ابو سعیدؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ عید الفطر اور عید الاضحی کے دن عید گاہ کی طرف جاتے تو پہلے نماز سے ابتدا کرتے تھے- پھر فارغ ہو کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور ان کو وعظ و نصیحت کرتے اور مختلف احکام صادر فرماتے تھے-

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

اہم تحریک خوشی کے موقع پر

تمام مومنین کے لئے یہ ایک عظیم الشان خوشی کا موقع ہوتا ہے اور اس وقت اکثر لوگ جمع ہوتے ہیں- لہذا آنحضور ﷺ موقع کی مناسبت سے تحریکات فرماتے تھے چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ :-

آپؐ خطبہ کے بعد عورتوں کی طرف آئے اور حضرت بلالؓ بھی آپ کے ساتھ تھے- آپ نے صدقہ کی تحریک کی اور خواتین نے اطاعت کا بے نظیر نمونہ دکھایا اور جس کے پاس جو کچھ تھا وہ حضرت بلالؓ کی چادر میں ڈالتی جاتی تھیں- یہاں تک کہ کئی عورتوں نے اپنے زیورات بھی آپ کی تحریک پر پیش کر دیئے-

(صحیح بخاری کتاب العیدین)

عید کے دن سب چاند نظر آنے کے بعد اونچی آواز سے کثرت سے تکبیراتِ عید دہراتے- ایک دوسرے سے ملکر اسے عید مبارک دیتے اور جس راستہ سے جاتے تھے' واپسی پر راستہ بدل کر گھر آتے- اور اس طرح عید کا دن خوشی و مسرت سے گزرتا تھا-

پس ہم سب کو چاہئے کہ عید کی حقیقی خوشیاں حاصل کرنے کے لئے اس دن خدا کے گھروں کو خالی نہ کریں بلکہ پہلے سے زیادہ بھر دیں- اور اسی دن غریبوں کے گھروں کو بھی خوشیوں سے بھر دیں اور وہ خوشیاں حاصل کریں جو خدا کی رضا کی خوشیاں ہیں-

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے- آمین

بقیہ صفحہ ۴۶

ہوگا اور خدا کی رضا پر جان دو گے مگر لازماً نیکیوں کی طرف حرکت کرنا ہے چاہے گھسٹتے ہوئے کرتے چلے جاؤ- ایسا شخص جس کی مثال آپ نے دی وہ ہے جس کی جان نکل رہی ہے- جسم میں طاقت نہیں' موت کے نرغے میں مبتلا ہے اور پھر بھی گھٹنوں کے بل اور کہنیوں کے بل کوشش کر رہا ہے کہ دم نکلے تو خدا کے پاک لوگوں میں نکلے- یہ وہ نظارہ ہے جس کے بعد یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے معاف نہ فرمائے- پس یہ کیفیت اپنے اوپر طاری کریں تو یہ جمعۃ الوداع آپ کے لئے ایک اور معنے میں جمعۃ الوداع بنے گا- یہ بدیوں کے لئے وداع کا جمعہ بن جائے گا نیکیوں کے لئے نہیں- ان معنوں میں وداع نہیں رہے گا کہ آپ نے آج پڑھا اور چھٹی ہوئی اور پھر اگلے سال تک آپ کو کسی جمعہ یا نیکی کی توفیق نہ ملی"-

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ فروری ۹۷ء بحوالہ "الفضل انٹرنیشنل" لندن ۲۸ مارچ تا ۳ اپریل ۱۹۹۷ء)

۴۹

رمضان کا آخری عشرہ

رمضان کے آخری عشرہ کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رو سے ہمیں یہ عشرہ کس طرح گزارنا چاہئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"قالت عائشه رضی الله عنها كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يجتهد فی العشر الاواخرمالا يجتهد فی غيره"

(صحیح مسلم کتاب الاعتکاف باب الاجتھاد فی العشر الاواخر من شھر رمضان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ عبادات میں اتنی کوشش فرماتے تھے جو اس کے علاوہ دیکھنے میں نہیں آئی تو رمضان میں وہ کوشش کیا ہوتی ہوگی جو عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دیکھنے میں بھی نہیں آئی اور آپ کی روایات جو رمضان کے علاوہ ہیں وہ ایسی روایات ہیں کہ ان کو دیکھ کر دل لرز اٹھتا ہے کہ ایک انسان اتنی عبادت بھی کر سکتا ہے۔ ساری ساری رات بسا اوقات خدا کے حضور بلکتے ہوئے ایک سجدے میں گزار دیتے تھے۔ جس طرح کپڑا انسان اتار کر پھینک دیتا ہے اسی طرح آپ کا وجود گرے ہوئے کپڑے کی طرح پڑا ہوتا تھا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سمجھا کرتی تھیں کہ کسی اور بیوی کے پاس نہ چلے گئے ہوں' تلاش میں گھبرا کر نکلتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ایک ویرانے میں پڑا ہوا دیکھتی ہیں اور جوش گریاں سے جیسے ہانڈی ابل رہی ہو' ایسی آواز آرہی ہوتی تھی۔ وہ عائشہ جب گھر کو لوٹتی ہوگی تو کیا حال ہوتا ہوگا۔ کیا سمجھا تھا اپنے آقا اور محبوب کو اور کیا پایا۔ یہ عام دنوں کی بات ہے' یہ رمضان کی بات نہیں ہے۔ عام دنوں میں یہ پایا ہے حضرت عائشہؓ نے۔ آپ گواہی دیتی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری عشرے میں ایسے وقت آتے تھے کہ ہم نے پہلے کبھی دوسرے دنوں میں نہیں دیکھے۔ ان کیفیات کو بیان کرنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ نہ میری طاقت میں ہے نہ کسی اور انسان کی طاقت میں ہے۔ لیکن آپ نے خود ان کیفیات سے کہیں کہیں پردہ اٹھایا ہے اور بتایا ہے کہ میں کس دنیا میں پہنچا ہوا تھا' میں کس دنیا میں بسر کرتا رہا ہوں۔ وہ احادیث بھی ابھی میں آپ کے سامنے کھول کر بیان کرتا ہوں۔ ایک روایت وہ ہے جس کے متعلق ہماری کتب میں اور بالعموم روایتاً جو معنے بیان کئے جاتے ہیں وہ میرے نزدیک درست نہیں ہیں۔ وہ واقعہ اپنی ذات میں تو درست ہے کہ ایسا ہوا کرتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان میں پہلے سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر جو روایت میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس کے ترجمے کو محدود کر دیا گیا ہے اور وہ ترجمہ اس سے بلند اور وسیع تر ہے جو عام طور پر آپ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:-

"عن عبدالله بن عتبه عن ابن عباس رضی الله عنهما قال كان النبی ﷺ اجود الناس بالخير وكان اجود ما يكون فی رمضان حين يلقاه جبريل وكان جبريل عليه السلام يلقاه كل ليله فی رمضان حتى ينسلخ يعرض عليه النبی صلى الله عليه وسلم القرآن فاذا لقيه جبريل عليه السلام كان اجود بالخير من الريح المرسلة"۔

یہ جو آخری حصہ ہے اس میں وہ معنے پوشیدہ ہیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور جو عموماً ترجموں میں دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس حدیث سے اجود کا معنی یہ لیا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ سخی غریبوں پر خرچ کرنے میں اور خیر کا یہ معنی لیا گیا ہے دنیا کا مال اور کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے دنوں میں اتنا زیادہ خرچ کیا کرتے تھے جیسے تیز ہوا میں اور بھی تیزی آجائے اور وہ ہوا جھکڑ میں تبدیل ہو جائے۔ یہ معنے دل پسند معنے ہیں مگر اس روایت میں اس موقع پر یہ معنے مناسب نہیں بلکہ اس کے کچھ اور معنے بنتے ہیں۔

جبرائیل ہر رات کو اترا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ

کو تنہا پاتے تھے۔ اس وقت اس روایت کا یہ معنی لینا کہ جبرائیل ایسی حالت میں ملتے تھے کہ آپ سخاوت میں اور لوگوں میں خرچ کرنے میں بہت تیزی دکھایا کرتے تھے۔ وہ وقت ہی ایسا نہیں ہے جس میں باہر نکل کر غریبوں کو ڈھونڈا جائے اور ان پر کثرت سے خرچ کیا جائے۔ راتیں تو آنحضرت ﷺ اور خدا کے درمیان کی راتیں تھیں۔ ان راتوں میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جبرائیل جب قرآن کریم لے کر آئیں تو آپ کو اس حال میں پائیں یہ ناممکن ہے۔ لیکن اجود کا وہ معنی جو اعلیٰ درجہ کی لغات امام راغب وغیرہ سے ثابت ہے اور خیر کا وہ معنی جو اعلیٰ درجہ کی لغات سے ثابت ہے وہ کچھ اور مفہوم بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔

اجود اس شخص کو کہیں گے جو نیکیوں میں سب سے آگے بڑھ جائے اور خیر حسنہ کو کہتے ہیں صرف مال کو نہیں کہتے۔ ہر بھلی بات جس کی مومن توقع رکھتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ یہ بھلائی مجھے نصیب ہو اسے خیر کہا جاتا ہے۔ پس ان معنوں میں جب اس حدیث کو آپ دوبارہ پڑھیں تو بالکل ایک اور مضمون، ایک نیا جہان آپ کی آنکھوں کے سامنے ابھرے گا۔ آنحضرت ﷺ کو جب بھی جبرائیل نے دیکھا ہے رات کو آپ ان نیکیوں میں غیر معمولی آگے بڑھنے والے تھے۔ تمام کائنات کے وجودوں سے آگے بڑھنے والے تھے جن نیکیوں میں دوسرے لوگ ان میدانوں میں سفر کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ رات کو اپنے خدا کی یاد میں غرق ہونے میں سب سے زیادہ تھے۔ رات کے وقت اجود تھے ان معنوں میں کہ ذکر الٰہی میں اپنے آپ کو گم کر دیا اور خیر کے جتنے بھی اعلیٰ پہلو ہیں مال کے علاوہ، ان سارے پہلوؤں میں محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسی تیزی آئی ہوئی تھی جیسے جھکڑ چل رہا ہو۔ یہ حقیقی معنے ہیں اور لغت سے میں نے اچھی طرح دیکھ لئے ہیں۔ یہ موقع نہیں کہ لغت کی تفصیل میں جایا جائے لیکن آپ یقین کریں کہ ہر پہلو سے چھان بین کے بعد میں آپ کو مطلع کر رہا ہوں کہ ان معنوں میں جبرائیل نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو جب بھی دیکھا اس حال میں دیکھا ہے۔ ہر نیکی میں اتنی تیزی آئی ہوتی تھی کہ جیسے جھکڑ چل رہا ہو اور یہ تیزی ذکر الٰہی کی تیزی تھی۔ خدا کی ذات میں ڈوب جانے کی تیزی تھی۔

پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کر کے دیکھ لیں تو پھر اندازہ ہو گا کہ کتنی مشکل مگر کتنی لازمی پیروی ہے۔ مشکل تو ہے کیونکہ یہ سفر بہت طویل ہے۔ ایک عام انسان کے اس سفر کی آخری منازل کے لئے تصور بھی ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ چند دن تو ہیں۔ ان دنوں میں اللہ خود قریب آجاتا ہے۔ یہ وہ دن ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی آسان کر دی جاتی ہے۔ پس ان دنوں سے فائدہ اٹھائیں اور ان دنوں کا حقیقی معنوں میں استقبال کریں۔ ان کو وداع کرنے کے لئے نہ رمضان کا وقت گزاریں بلکہ ان کے استقبال کے لئے اپنے بازو دراز کر دیں، اپنے سینے کے در وا کر دیں اور پوری کوشش کریں کہ رمضان کی برکتیں ہر طرف سے آپ کو گھیر لیں اور آپ کے اندر اس طرح داخل ہو جائیں جیسے سورج طلوع ہو جاتا ہے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ جنوری ۹۸ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن ۱۳ مارچ ۹۸ء)

نیز فرمایا:۔

ایک حدیث مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۷۵ مطبوعہ بیروت سے لی گئی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عمل کے لحاظ سے ان دس دنوں یعنی آخری عشرہ سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے نزدیک عظمت والے اور محبوب اور کوئی دن نہیں ہیں۔ عمل کے لحاظ سے جو ان دنوں میں برکت ہے ایسے اور کسی عشرے اور کسی دن میں برکت نہیں ہے۔ پس مبارک ہو کہ ابھی کچھ دن باقی ہیں اور یہ برکتیں کلیتا ہمیں وداع کہہ کر چلی نہیں گئیں۔ آپ ان کا استقبال کریں تو آپ کے گھر اتر کر ٹھہر بھی سکتی ہیں اور یہی حقیقی نیکی کا مفہوم ہے۔ نیکی وہ جو آکر ٹھہر جائے اور پھر رخصت نہ ہو۔

"ان ایام میں خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ نے جس ذکر الٰہی کی تاکید فرمائی ہے وہ ایک ہے تہلیل۔ تہلیل سے مراد ہے لا الہ الا اللہ، دوسرے تکبیر اللہ اکبر، اللہ اکبر، تیسرے تحمید، الحمد للہ، الحمد للہ، تو یہ تین سادہ سے ذکر ہیں جو باسانی ہر شخص کو توفیق ملتی ہے کہ ان پر زور ڈالے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ بحوالہ الفضل انٹرنیشنل لندن

رمضان المبارک کے حوالہ سے نومبایعین کے تعلق میں
داعیان الی اللہ کو اہم نصیحت

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

"اور اس ضمن میں داعیین الی اللہ کو خصوصاً متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کو مستقلاً خدا کا بنا دینے کا ایک بہت ہی اچھا وقت ہاتھ میں آیا ہے۔ آج کل جو نئے نئے احمدی ہوئے ہیں، دنیا کے کونے کونے میں ہو رہے ہیں، کوئی شرک سے آرہے ہیں، کوئی دہریت سے آرہے ہیں، کوئی دوسرے مسلمانوں سے چلے آرہے ہیں جنہوں نے اب اسلام کا حقیقی نور پایا اور دیکھا اور پہچانا ہے۔ غرضیکہ ہر قسم کے لوگ ہر ملک سے آرہے ہیں اور یہ تعداد خدا کے فضل سے دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہے ان کو سنبھالنے کا مسئلہ ہوا کرتا ہے۔ اور میں داعیین الی اللہ کو نصیحت کرتا ہوں کہ اب رمضان میں ان کو اس طرح سنبھالیں کہ خدا کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیں۔ اس سے بہتر سنبھالنے کا اور کوئی طریق نہیں ہے۔ سارے مسائل ایک طرف، سارے روزمرہ کے جھگڑے ایک طرف اور کسی کا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں تھما دیا جائے یہ ایک طرف، اس کے بعد خدا اسے پکڑ لیتا ہے اور مضبوطی سے اس کو تھام لیتا ہے۔

اب یہاں مضمون کچھ بدل گیا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ آپ چھوڑ دیں تو چھوڑ دیں لیکن اگر آپ خدا کا حقیقی عرفان حاصل کریں تو آپ چھوڑ نہیں سکتے۔ اس کے برعکس اللہ چاہے تو چھوڑ دے لیکن انہی کو چھوڑتا ہے جو اس کا حقیقی عرفان حاصل نہیں کرتے۔ ایک سرسری تعلق کے لئے اس کے پاس آتے ہیں تو اب میں جو آپ کو بات کہہ رہا ہوں در حقیقت اس میں تضاد نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ان دنوں میں ان کا ہاتھ تھما دیں پھر وہ خدا اس کو سنبھال لے گا۔ کچھ عرصہ ایسا گزرتا ہے جس سے تعلق میں کہ بندہ چھوڑنا بھی چاہے تو خدا ہاتھ نہیں چھوڑتا بعض دفعہ مصافحے میں مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ جو زیادہ ہی پیار کا اظہار کرنا چاہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ کتنے لوگ مصافحہ والے کھڑے ہیں ہاتھ میں ہاتھ آجائے تو چھوڑتے ہی نہیں۔ بڑی مشکل سے انگلیاں یوں یوں کر کے نکالنا پڑتا ہے ہاتھ۔ تو یہ تالیفِ قلب کا دور بھی اسی طرح کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نئے آنے والوں پر اتنا مہربان ہوتا ہے کہ بندوں کو بھی حکم ہے کہ ان کی تالیف قلب کرو۔ یہ ذرا جیتنے کے محتاج لوگ ہیں اور خود کبھی تالیفِ قلب فرماتا ہے اور حیرت انگیز طور پر بعض دفعہ ان کو نشان دکھاتا ہے۔ تو جب اس ہاتھ کی عادت پڑ جائے گی تو پھر یہ بھی نہیں چھوڑ سکیں گے۔ لیکن جب تک یہ ہاتھ اس ہاتھ میں نہ آجائے جو خدا کا ہاتھ کہلاتا ہے اس وقت تک آپ کے ہاتھوں میں تو محفوظ نہیں ہیں۔ آج ہے کل نکل جائے گا ہاتھ سے۔ آپ کو کب توفیق ہے کہ سارا دن تمام سال بھر آپ روزانہ ان کی فکر کریں، مہینے میں ایک دو دفعہ بھی فکر کا آپ کے پاس وقت نہیں رہتا اب تو رفتار بھی بہت پھیل چکی ہے۔ لکھو کھہا کی تعداد میں لوگ احمدیت قبول کر رہے ہیں اور ہر قوم سے، ہر مذہب سے، ہر زبان بولنے والوں میں سے آرہے ہیں تو ان کو آپ کیا سمجھائیں گے؟ کیسے کیسے ان کی طرف توجہات کا حق ادا کریں گے۔ ایک ہی طریقہ ہے کہ خدا کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ تھما دیں۔ اور رمضان مبارک میں یہ کام ہر دوسرے دور سے زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں ان کو روزے رکھنے کی تلقین کریں۔ روزے رکھنے کے سلیقے سکھائیں۔ ان کو بتائیں کہ اس طرح دعائیں کرو اور اللہ دعاؤں کو سنتا ہے لیکن اس سے عہد باندھو کہ تم اس کو چھوڑو گے نہیں۔ اصل مقصد مذہب کا خدا سے ملانا ہے۔ اگر کوئی مذہب باتیں سکھاتا ہے اور قیدوں میں مبتلا کر جاتا ہے مگر خدا کا قیدی نہیں بناتا تو ایسے مذہب کا کیا فائدہ۔ جتنے زیادہ بندھن ہوں اتنا ہی وہ مذہب مصیبت بن جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ بندھن خدا کی محبت کے بندھن ہوں تو پھر وہ مصیبت نہیں وہ رحمت ہی رحمت ہے، وہ عشق کے بندھن ہونے چاہئیں۔ پس ہر وہ شریعت جس پر عمل ظاہری ہو وہ ایسی غلامی کے بندھن ہیں جن کے ساتھ اللہ کی محبت کا تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگ ظواہر پرست ہو جاتے ہیں۔ ظاہری چیزوں کے غلام ہو جاتے ہیں۔ ان کی شریعت ان کو کچھ بھی نہیں فائدہ پہنچاتی۔ کورے کے کورے، سخت دل کے سخت دل، انسانیت کی اعلیٰ قدروں سے عاری اس دنیا سے گزر جاتے ہیں۔ کچھ بھی فائدہ ان کو نہیں ہوتا۔ لیکن وہ بندھن اگر خدا کی محبت کے بندھن میں تبدیل ہوں اور اس وجہ سے ہوں۔ اللہ کی خاطر ایک انسان اپنے آپ کو پابند کر رہا ہے اور اس کی محبت کی خاطر کر رہا ہے تو یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ پھر وہ عبد بنتا ہے، پھر وہ غلام ہوتا ہے ورنہ روزمرہ کی ٹکسالی کے طور پر کام کرنے والے کہاں غلام ہوتے ہیں۔
پس اس معنی میں ان کی تربیت کریں، ان کو سمجھائیں اور پھر چھوٹے موٹے روزمرہ کے رمضان کے آداب بھی تو بتائیں۔ روزے کیسے رکھے جاتے ہیں؟ کیوں رکھے جاتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اس سلسلہ میں کیا نصیحتیں فرمائیں ان سے کچھ ان کو آگاہ کریں تو رفتہ رفتہ ان کی تربیت ہوگی اور اگر ان کو یہ تجربہ رمضان میں ہو گیا کہ ان کو لیلۃ القدر نصیب ہو گئی یعنی وہ رات آئی ہے جو رات کہلاتی ہے مگر سب سے زیادہ منور ہے اور سب سے زیادہ روشنیاں اور دائمی روشنیاں پیچھے چھوڑ جاتی ہیں؟ تو پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ آپ کو سنبھالنے والے بن جائیں۔ آپ کو ان کو سنبھالنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔
ایسے لوگ میں نے دیکھے ہیں جب احمدیت میں ان میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، وہ ہر ابتلاء سے اوپر نکل جاتے ہیں کوئی ٹھوکر ان کے لئے ٹھوکر نہیں رہتی وہ یہ نہیں کہتے کہ دیکھو جی فلاں یوں کر رہا ہے۔ انہوں نے ہمیں احمدیت دی، اپنا یہ حال ہے۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا ان سے بہتر نمائندہ سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی فکر کرتے ہیں۔ ان کی تربیت کرتے ہیں، ان کو سمجھاتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کی ہمیں آج ضرورت ہے دنیا کو سنبھالنے کے لئے۔ اگر ایسے ہی رہنے دیا گیا کہ ہر وقت آپ ہی نے ان کو سنبھالے رکھنا ہے تو آپ کی طاقت میں تو یہ سنبھالنا بھی نہیں۔ انہوں نے پھر آگے دنیا کو کیا سنبھالنا ہے اس لئے رمضان سے یہ فائدہ اٹھائیں"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳/فروری ۱۹۹۵ مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل ۱۷/مارچ ۱۹۹۵ء)

روزہ رکھنے کی دُعا وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

روزہ کھولنے کی دُعا اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

روزہ سے انسان قرب الٰہی حاصل کرتا اور متقی بنتا ہے

رمضان میں دعاؤں کی کثرت‘ تلاوت قرآن اور قیام نماز کا خاص اہتمام کرنا چاہئے

حضرت خلیفة المسیح الاول کا ایک خطبہ رمضان فرمودہ یکم نومبر 1907ء

حضور نے تشہد و تعوذ کے بعد سورہ بقرہ کی آیات 186 تا189 کی تلاوت کے بعد فرمایا

رمضان کے دن بڑے بابرکت دن ہیں- اب یہ گزرنے کو ہیں- یہ دن ہم کو پھر اسی رمضان میں نہیں آئے گا- نہیں معلوم آئندہ رمضان تک کس کی حیاتی ہے- اور کس کی نہیں- اللہ تعالیٰ نے اس مہینے میں خاص احکام دیئے ہیں اور ان پر عمل کرنے کی خاص تاکید کی ہے- جو لوگ مسافر ہیں یا بیمار ہیں ان کو تو سفر کے بعد اور بیماری سے صحت یاب ہو کر روزے رکھنے کا حکم ہے- مگر دوسرے لوگوں کو دن کے وقت کھانا پینا اور بیوی سے جماع کرنا منع ہے- کھانا پینا بقائے شخص کے لئے نہایت ضروری ہے- اور جماع کرنا بقائے نوع کے لئے سخت ضروری ہے- اس مہینہ میں خدا تعالیٰ نے دن کے وقت ایسی ضروری چیزوں سے رکے رہنے کا حکم دیا تھا- ان چیزوں سے بڑھ کر اور کوئی چیزیں ضروری نہیں- بیشک سانس لینا ایک نہایت ضروری چیز ہے- مگر انسان اس کو چھوڑ نہیں سکتا- اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اس واسطے بنایا ہے کہ جب انسان گیارہ مہینے سب کام کرتا ہے- اور کھانے- پینے- بیوی سے جماع کرنے میں مصروف رہتا ہے تو پھر ایسی ضروری چیزوں کو صرف دن کے وقت خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ماہ کے لئے ترک کر دے تو پھر دیکھو جہاں ایک طرف ان ضروری اشیاء سے منع کیا ہے- دوسری طرف تدارس قرآن- قیام رمضان اور صدقہ وغیرہ کا حکم دیا ہے- اور اس میں یہ بات سمجھائی ہے کہ جب ضروری چیزیں چھوڑ کر غیر ضروری چیزوں کو خدا کے حکم سے اختیار کیا جاتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے برخلاف غیر ضروری چیزوں کو حاصل کیا جاتا ہے- رمضان کے مہینہ میں دعاؤں کی کثرت تدارس قرآن- قیام رمضان کا ضروری خیال رکھنا چاہئے (-)

مگر افسوس کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رمضان میں خرچ بڑھ جاتا ہے- حالانکہ یہ بات غلط ہے- اصل بات یہ ہے کہ وہ لوگ روزہ کی حقیقت سے بے خبر ہیں- سحرگی کے وقت اتنا پیٹ بھر کر کھاتے ہیں کہ دوپہر تک بد ہضمی کے ڈکار ہی آتے رہتے ہیں- اور مشکل سے جو کھانا ہضم ہونے کے قریب پہنچا بھی تو پھر افطار کے وقت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کے وہ اندھیر مارا اور ایسی شکم پری کی کہ وحشیوں کی طرح نیند پر نیند اور سستی پر سستی آنے لگی- اتنا خیال نہیں کرتے کہ روزہ تو نفس کے لئے ایک مجاہدہ تھا- نہ یہ کہ آگے سے بھی زیادہ بڑھ چڑھ کر خرچ کیا جاوے اور خوب پیٹ پر کر کے کھایا جاوے- یاد رکھو اسی مہینہ میں ہی قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا- اور قرآن مجید لوگوں کے لئے ہدایت اور نور ہے- اسی کی ہدایت کے بموجب عملدرآمد کرنا چاہیے- روزہ سے فارغ البالی پیدا ہوتی ہے اور دنیا کے کاموں میں سکھ کرنے کی راہیں حاصل ہوتی ہیں- آرام تو یا مر کر حاصل ہوتا ہے یا بدیوں سے بچ کر حاصل ہوتا ہے- اس لئے روزہ سے بھی سکھ حاصل ہوتا ہے- اور اس سے انسان قرب حاصل کر سکتا اور متقی بن سکتا ہے- اور اگر لوگ پوچھیں کہ روزہ سے کیسے قرب حاصل ہو سکتا ہے تو کہہ دے (-)

یعنی میں قریب ہوں- اور اس مہینہ میں دعائیں کرنے والوں کی دعائیں سنتا ہوں- چاہئے کہ پہلے وہ ان احکاموں پر عمل کریں- جن کا میں نے حکم دیا اور ایمان حاصل کریں تاکہ وہ مراد کو پہنچ سکیں- اور اس طرح سے بہت ترقی ہوگی-

بہت لوگ اس مہینہ میں اپنی بیویوں سے صحبت کرنا جائز نہیں سمجھتے تھے- مگر خدا تعالیٰ چونکہ جانتا تھا کہ قوی آدمی ایک مہینہ تک صبر نہیں کر سکتا- اس لئے اس نے اجازت دیدی کہ رات کے وقت اپنی بیویوں سے تم لوگ صحبت کر سکتے ہو- بعض لوگ ایک مہینہ تک کب باز رہ سکتے ہیں- اس لئے خدا نے صبح صادق تک بیوی سے جماع کرنے کی اجازت دے دی- بد نظری- شہوت پرستی- کینہ- بغض- غیبت اور دوسری بد باتوں سے خاص طور پر اس مہینہ میں بچے رہو- اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا- کہ رمضان میں اس سنت کو بھی پورا کرو- کہ رمضان کی بیسویں صبح سے لے کر دس دن اعتکاف کیا کرو- ان دنوں میں زیادہ توجہ الی اللہ چاہیے- اور پھر رمضان کے بعد بطور نتیجہ کے فرمایا (-)-

یعنی ناحق کسی کا مال لینا ایسا ضروری نہیں- جیسے کہ اپنی بیوی سے جماع کرنا یا کھانا پینا- اس لئے خدا تعالیٰ سکھاتا ہے کہ جب تم خدا کی خاطر کھانے پینے سے پرہیز کر لیا کرتے ہو تو پھر ناحق کا مال اکٹھا نہ کرو بلکہ حلال اور طیب کما کر کھاؤ- اکثر لوگ یہی کہتے ہیں کہ جب تک رشوت نہ لی جاوے اور دغا فریب اور کئی طرح کی بددیانتیاں عمل میں نہ لائی جاویں روٹی نہیں ملتی- یہ انکا سخت جھوٹ ہے- ہمیں بھی تو ضرورت ہے- کھانے پینے سب اشیاء کی خواہش رکھتے ہیں- ہماری بھی اولاد ہے- ان کی خواہشوں کو ہمیں بھی پورا کرنا پڑتا ہے- اور پھر کتابوں کے خریدنے کی بھی ہمیں ایک دھت اور ایک فضولی ہمارے ساتھ لگی ہوئی ہے- گو اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے اور دوسری کتابوں کا خرید کرنا اتنا ضروری نہیں- مگر میرے نفس نے ان کا خرید کرنا ضروری سمجھا ہے- اور گو میں اپنے نفس کو اس میں پوری طرح سے کامیاب نہیں ہونے دیتا- مگو پھر بھی بہت سے روپے کتابوں پر ہی خرچ کرنے پڑتے ہیں- مگر دیکھو ہم بڈھے ہو کر تجربہ کار ہو کر کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ انسان کو اس کی ضرورت سے زیادہ دیتا ہے- بد سے بد پیشہ طبابت کا ہے جس میں سخت جھوٹ بولا جا سکتا ہے اور حد درجہ کا حرام مال بھی کمایا جا سکتا ہے- ایک راکھ کی پڑیا دیکر طبیب کہہ سکتا ہے کہ یہ سونے کا کشتہ ہے- فلانی چیز کے ساتھ اسے کھاؤ اور ایسے ہی طرح طرح دھوکے دیئے جا سکتے ہیں-- جس طبیب کو پوری فہم نہیں- پوری تشخیص نہیں اور دوائیں دے دیکر روپیہ کماتا ہے تو وہ بھی بطلان سے روپیہ کماتا ہے- وہ مال طیب نہیں بلکہ حرام مال ہے اسی طرح جتنے جعلساز جھوٹے اور

فریبی لوگ ہوتے ہیں۔ اور دھوکوں سے اپنا گزارہ چلاتے ہیں وہ بھی بطلان سے مال کھاتے ہیں۔ ایسا ہی طبیبوں کے ساتھ پنساری بھی ہوتے ہیں جو جھوٹی چیزیں دیکر سچی چیزوں کی قیمت وصول کرتے ہیں۔ اور بے خبر لوگوں کو طرح طرح کے دھوکے دیتے ہیں۔ اور پھر پیچھے سے کہتے ہیں کہ فلاں تھا تو دانا مگر ہم نے کیسا الو سا بنا دیا۔ ایسے لوگوں کا مال حلال مال نہیں ہوتا بلکہ وہ حرام ہوتا ہے۔ اور بطلان کیساتھ کھایا جاتا ہے۔ مومن کو ایک مثال سے باقی مثالیں خود سمجھ لینی چاہئیں۔ میں نے زیادہ مثالیں اس واسطے نہیں دی ہیں کہ کہیں کوئی نہ سمجھ لے کہ ہم پر بدظنیاں کرتا ہے۔ اسی واسطے میں نے اپنے پیشہ کا ذکر کیا ہے۔ میں اسے کوئی بڑا علم نہیں سمجھتا۔ میں اسے ایک پیشہ سمجھتا ہوں۔ طبیبوں سے حکماء لوگ ڈرتے ہیں۔ اس لئے انہوں نے اس پیشہ کا نام صنعت رکھا ہے۔ یاد رکھو یہ بھی ایک کینگی کا پیشہ ہے۔ اس میں حرام خوری کا بڑا موقع ملتا ہے اور طب کے ساتھ پنساری کی دکان بنانا اس میں بہت دھوکہ ہوتا ہے۔ نہ صحت کا اندازہ لوگوں کو ہوتا ہے۔ نہ مریض کی پوری تشخیص ہوتی ہے۔ اور پھر نہایت ہی معمولی سی جنگل کی سوکھی ہوئی بوٹی دیکر مال حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ بھی سخت درجہ کا بطلان کے ساتھ مال کھانا ہے۔ وہ جو میں نے اپنے جنون کا ذکر کیا ہے۔ چند روز ہوئے کہ ایک عمدہ کتاب بڑی خوشنما بڑی خوبصورت اور دل لبھانے والی اس کی جلد تھی جس پر رنگ لگا ہوا تھا۔ اس کو جو کہیں رکھا تو اور چیزوں کو بھی اس سے رنگ چڑھ گیا۔ جس سے ہمیں بہت دکھ پہنچا۔ غرض اپس جلد گرنے جو جلد کی قیمت لی ہے حقیقت میں وہ حلال مال نہیں۔ بلکہ بطلان سے حاصل کیا ہوا ہے۔ اسی طرح اور بھی پیشے ہیں۔ مگر ان کا ذکر میں اس واسطے نہیں کرتا کہ کسی کو رنج نہ پہنچے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حکام تک مال نہ پہنچاؤ۔ بعض لوگ یونہی لوگوں کو وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ اور لوگوں کو ناجائز طور پر پھنسانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے بعض لوگ ان سے ڈر جاتے ہیں اور نقصان اٹھا لیتے ہیں۔ غرض روزہ جو رکھا جاتا ہے تو اس لئے کہ انسان متقی بننا سیکھے۔

ہمارے امام فرمایا کرتے ہیں کہ بڑا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جس نے رمضان تو پایا مگر اپنے اندر کوئی تغیر نہ پایا۔ پانچ سات روزے باقی رہ گئے ہیں۔ ان میں بہت کوشش کرو۔ اور بڑی دعائیں مانگو۔ بہت توجہ الی اللہ کرو۔ اور استغفار اور لاحول کثرت سے پڑھو۔ قرآن مجید سن لو۔ سمجھ لو۔ سمجھالو۔ جتنا ہو سکے صدقہ اور خیرات دے لو اور اپنے بچوں کو بھی تحریک کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں توفیق دے۔ آمین۔ (الحکم 17 نومبر 1907ء)

اعتکاف

فخر کائنات سید لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کی ایک جھلک

رمضان کے آخری عشرہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں "اعتکاف" کی عبادت کا آغاز ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کیسے اعتکاف بیٹھتے، اس کی ایک جھلک حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے خطبہ جمعہ میں بیان فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اب مسند احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۶۷ مطبوعہ بیروت کی ایک حدیث جو حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ رمضان میں جو اعتکاف ہوا کرتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کیسے اعتکاف بیٹھتے تھے وہ کون سی دنیا تھی جس میں ڈوبا کرتے تھے۔ رمضان میں جب تیزی آتی تھی، اجود ہو جاتے تھے وہ کیا قصہ تھا۔ یہاں ایک جھلکی ہمیں نظر آتی ہے اس بناء پر کہ بعض لوگ اعتکاف میں ذرا اونچی تلاوت کرتے تھے۔ ان کا اونچی تلاوت کرنا ہم پر ہمیشہ کیلئے احسان ہو گیا کیونکہ اس ضمن میں رسول اللہ ﷺ کے دل کا حال، اس کی ایک جھلک دکھائی دی۔ یہ وہ باتیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ شاید از خود اپنے متعلق نہ بیان کرتے۔ مگر ان لوگوں نے مسجد میں جو تھوڑا سا ایک قسم کا ہلکا سا شور یعنی وہ بھی شور ایسا جو تلاوت کا شور ہے، وہ بلند کیا، تو رسول اللہ ﷺ کے اس تخلیہ میں مخل ہو گئے جو آپ کا اور اللہ کا تخلیہ تھا۔ اس لئے مجھے یہ حدیث بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی تلاوت کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمائی اور اب بھی ہماری (بیوت الذکر) میں شاید اس کی ضرورت پیش آئے۔ مگر اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خلوت کا ایک منظر، ایک جھلکی ہم نے اس حدیث میں دیکھ لی۔

رسول اللہ ﷺ نے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ آپ کے لئے کھجور کی خشک شاخوں کا حجرہ بنا دیا گیا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ رمضان کے دنوں میں (بیت الذکر) کی Capacity کو آپ لوگ جب جانچتے ہیں اور مجھے لکھتے ہیں کہ اس میں اتنے آدمیوں کی Capacity ہے تو اتنوں کو اعتکاف میں بیٹھنے دیا جائے۔ یہ Capacity کا معیار درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حجرہ ایسا تھا کہ وہاں باقاعدہ ایک خیمہ سا بنایا

گیا یعنی ایک جھونپڑی سی بنائی گئی اور اردگرد کافی دور تک دوسرے لوگ نہیں تھے۔ ان کی عام عبادتیں رسول اللہ ﷺ کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کے تخلیہ کی حالت ان پر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ تو وہ مسجد نبوی چونکہ بہت بڑی تھی اس لئے اصل اعتکاف کا حق بڑی (بیت الذکر) میں ادا ہوتا ہے۔ ایسی (بیت) میں جہاں چند عبادت کرنے والے ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں' ایک دوسرے کے معاملات میں مخل نہ ہوں اور اصل عبادت کا تو وہی مزہ ہے جو ایسے اعتکاف میں کی جائے مگر ہمارے ہاں بھرنے پر زور ہے۔ اس لئے اس دفعہ خواتین میں خصوصیت سے جن خواتین کے متعلق کسی حکمت کی وجہ سے ہم نے سمجھا کہ ان کو یہاں نہیں بیٹھنا چاہئے۔ (بیت) میں گنجائش ہونے کے باوجود ان کو جگہ نہیں دی گئی۔ یہ عین سنت نبوی کے مطابق ہے۔ کہ یہ نہیں تھا کہ اگر صحابہ چاہتے تو ساری مسجد معتکفین سے بھر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اجازت کا کیا نظام جاری تھا مگر کچھ نہ کچھ ضرور نظام جاری ہوگا جس کے تابع بعض لوگوں کو توفیق ملتی تھی اور بعضوں کو نہیں ملتی تھی۔ کھجوروں کا ایک حجرہ سا بنایا گیا' ایک جھونپڑی بنائی گئی۔ ایک رات ایسی آئی آپ نے باہر جھانکتے ہوئے فرمایا نمازی اپنے رب سے رازونیاز میں مگن ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ قرات بالجہر اس طرح نہ کیا کرو کہ گویا دوسرے بھی سن سکیں۔ تو یہ فرض ہے ہر حجرے والے کا جو اعتکاف بیٹھتا ہے کہ اس کے اندر کی آوازیں باہر نہ جائیں یہاں تک کہ تلاوت بھی باہر نہ جائے۔ حالانکہ تلاوت تو کسی عبادت کرنے والے کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہئے کیونکہ عبادت اور تلاوت درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایسی آواز میں تلاوت کی آواز بھی باہر نہ جائے کہ دوسرے معتکفین کی راہ میں حائل ہو۔ کیوں ایسا فرمایا۔ ایک راوی بیاضی ہیں جن سے مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت مروی ہے اور بیاضی بیاضہ بن عامر کی طرف نسبت تھی' ان کا اصل نام عبداللہ بن جابر تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ان کی روایت ہے کہ اپنے حجرہ سے باہر دوسروں کی طرف نکل کے آئے یعنی چل کر باہر گئے ہیں۔ صاف پتہ چلتا ہے کہ فاصلہ ہے بیچ میں۔ جو نماز ادا کر رہے تھے ان کی قرات کی آوازیں بلند تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نمازی تو اپنے رب ذوالجلال سے رازونیاز میں مگن ہوتا ہے۔

اب یہ رازونیاز کی راتیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ گزارا کرتے تھے اور اس رازونیاز کا لطف کیا تھا؟ یہ بھی اگلی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ حدیثیں غلطی سے یہاں ساتھ نہیں رہیں لیکن زبانی میرے ذہن میں جو مضمون ہے' وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اپنے رب سے رازونیاز کیا کرتے تھے تو دنیا کے سارے دوسرے پردے اٹھ جایا کرتے تھے اور آپ ایسے غرق ہوتے تھے ذکر الٰہی میں اور اس سے ایسی لذت پاتے تھے کہ اس لذت کا بیان ممکن نہیں ہے۔ وہ حدیثیں اس وقت یہاں نہیں ہیں جو میرے ذہن میں ہیں جن کی وجہ سے میں بتا رہا تھا کہ یہ جو فرمایا کہ ایک شخص رازونیاز میں مصروف ہے۔ اس کے رازونیاز میں حائل نہ ہو۔ وہ رازونیاز ایسا تھا کہ اس کے لطف کا کوئی بیان ممکن نہیں ہے۔

آنحضرت ﷺ کو اللہ کے ذکر میں اتنا زیادہ مزہ آتا تھا کہ اس مزے کی کیفیت دوسرے الفاظ میں بیان ہو نہیں سکتی۔ عام انسان جب ذکر الٰہی میں لذت پاتا ہے تو بعض دفعہ خود اپنی کیفیت کو دوسرے کے سامنے بیان نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ سے عشق اور محبت میں جو خلا میسر آیا کرتا تھا وہ کیفیت جیسا کہ میں نے پہلے عرض کر دیا تھا ناممکن ہے کہ میں بیان کر سکوں۔ کوئی انسان اسے بیان نہیں کر سکتا۔ ان کیفیات پر رسول اللہ ﷺ کی بعض اور حدیثیں روشنی ڈالتی ہیں مگر اتنا بہرحال یقینی ہے کہ رمضان کی راتوں کے اواخر اور آخری عشرہ میں معتکفین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھیں کیونکہ وہ جس بات میں مخل ہونگے وہ اللہ اور بندے کے رازونیاز کی باتیں ہیں اور ایسی رازونیاز کی باتیں ہیں جن کو وہ خود نہیں کھولنا چاہتا۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ جنوری ۱۹۹۸ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۳ مارچ ۹۸ء)

ہزار راتوں سے بہتر رات

لیلۃ القدر

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز لیلۃ القدر کے بارہ میں فرماتے ہیں:-

"اب بخاری شریف کی ایک حدیث میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہ کو لیلۃ القدر رؤیا میں دکھائی گئی فی السبع الاواخر آخری سات دنوں میں۔ یعنی اس سال جو خاص لیلۃ القدر کا طلوع انفرادی طور پر لوگوں پہ ہوا کرتا ہے وہ آخری سات دن سے تعلق رکھتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تائید فرمائی کہ اگر یہ رؤیا ہیں اور تم سب لوگ ان باتوں میں اکٹھے ہوگئے ہو تو پھر تم آخری سات دنوں میں مثلاً اس کی تلاش کرو۔ اب آپ کے لئے آخری چھ دن باقی ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں یہ واقعہ بار بار بھی ہو سکتا ہے یعنی اس لئے کہ صاف پتہ چلا کہ لیلۃ القدر جگہ بدلتی رہتی ہے۔ کبھی اکیس کو آگئی کبھی تیس کو۔ عام طور پر اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس ان راتوں میں آیا کرتی ہے۔ تو ابھی ہمارے پاس کچھ دن باقی ہیں جن میں بعید نہیں کہ اس سال، ان اواخر میں ہی لیلۃ القدر ظاہر ہو۔ پس جن لوگوں نے اس سے پہلے کا رمضان ضائع کر دیا، ان کے لئے خوش خبری ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب رمضان کے آخری ہفتے پر متفق ہیں اس لئے جو شخص لیلۃ القدر کی تلاش کرنا چاہتا ہے، وہ رمضان کے آخری ہفتہ میں کرے۔ عام دستور رسول اللہ ﷺ کا یہ تھا کہ اپنے جاگنے کے ساتھ یعنی آپ کا جاگنا تو ایک معنے بھی رکھتا ہے یعنی وہ شعور خدا تعالیٰ کی صفات کا جو نیا سے نیا رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوا کرتا تھا ان معنوں میں آنحضرت ﷺ ہر دفعہ اور بیدار ہوا کرتے تھے اور ہر شب بیداری کے نتیجے میں آپ کا شعور ان معنوں میں اور بیدار ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ تصور آپ پر نازل ہوتا تھا۔ جو پہلے تصور سے بالا تر تھا۔ ان معنوں میں آپ ہمیشہ ترقی کرتے رہے، ہمیشہ بلند پروازی کرتے رہے۔ ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں کوئی بلند پروازی ایک جگہ ٹھہر جائے کہ جو کچھ میں نے پانا تھا پالیا کیونکہ خدا کی ذات نہیں ٹھہرتی، خدا کی ذات لامتناہی ہے۔ پس جب میں بیداری کی بات کرتا ہوں تو عام انسان کی بیداری نہیں کرتا۔ غور کیا کریں کس کی بات کر رہا ہوں۔ حضرت محمد رسول ﷺ کی ہر شب بیداری آپ کو صفات الہیہ کے شعور میں اور بھی زیادہ بیدار کر دیتی تھی۔

پس حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ آخری عشرہ میں داخل ہوتے تو کمر ہمت کس لیتے۔ اپنی راتوں کو زندہ کرتے اور گھر والوں کو جگاتے۔ اب دیکھیں وہی الفاظ ہیں جو بیداری کے لئے میں نے کہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں راتوں کو زندہ کرتے۔ پہلے کب آپ کی راتیں مردہ ہوا کرتی تھیں۔ کوئی ایک رات آپ کی زندگی میں ایسی نہیں تھی جس کو آپ مردہ رات کہہ سکیں۔ لیکن رمضان کے اواخر میں، ہر رمضان میں ان زندہ راتوں کو اور بھی زندہ کرتے تھے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔ اب گھر والوں کو جگانا ایک جسمانی فعل بھی تو ہے اور یہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہم سب پر فرض ہے کہ ان دنوں میں خاص طور پر اپنے اہل و عیال، اپنے بچوں، بیوی وغیرہ کو تعلیم دیں کہ رمضان کے حق ادا کرنے کے لئے جاگا کرو۔ لیکن آنحضرت ﷺ جب گھر والوں کو بیدار کرتے تھے تو میں سمجھتا ہوں رمضان کے معارف کے سلسلے میں ضرور ان کو نئے معارف عطا فرماتے ہوں گے۔ اب اس پہلو سے جس طرح رسول اللہ ﷺ راتوں کو زندہ کیا کرتے تھے، اپنے اہل و عیال کی زندگی میں بھی وہ نئی زندگی بھر دیا کرتے تھے۔......

"حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک دفعہ پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ لیلۃ القدر ہے تو اس میں کیا دعا مانگوں۔

اس پر حضور ﷺ نے فرمایا تم یوں دعا کرنا:

اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

کہ اے میرے اللہ تو بہت بخشش کرنے والا ہے۔

تحب العفو تو تو بخشش سے محبت کرتا ہے۔

فاعف عنی پس مجھ سے بھی بخشش کا سلوک فرما۔

اب یہ دیکھنے کی بات ہے۔ بڑی اہم بات ہے کہ کوئی مثبت چیز کی نصیحت نہیں فرمائی گئی۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک منفی دائرے کی دعا ہے کہ جو پہلے گناہ تھے وہ مٹ جائیں اور پہلے گناہوں سے خدا تعالیٰ ہمیں بخشش عطا فرمائے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ اس کے بعد اور کیا مانگو۔ امر واقعہ یہ ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا لیلۃ القدر کا مضمون ہی اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ اگر بخشش ہوئی تو صبح ہو گئی اور جو صبح ہے وہ پھر ایک مثبت دائمی رہنے والی حالت کا نام ہے جو پھر کبھی رات میں تبدیل نہیں ہو گی یعنی انسان کی باقی زندگی اس صبح کی حالت میں کٹے گی۔ تو استغفار کا مضمون سکھایا ہے۔

فرمایا ہے اگر تمہیں یقین ہو جائے کہ لیلۃ القدر ہے تو پھر بخشش ہی کی دعا کرنا یہی تمہارے لئے کافی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ تمہارے پچھلی زندگی کے سارے گناہ باطل کر دے اور ان پر بخشش کی اور رحمت کی چادر ڈال دے تو پھر تم امن میں آگئے ہو۔ تمہیں اس کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ پس سب سے پہلے اس دعا پر زور دینا چاہئے کہ اے خدا تو عفو ہے۔ بہت ہی بخشش والا ہے، بخشش سے محبت کرتا ہے، ہم سے بھی یہ سلوک فرما اور بخشش کی طلب کے لئے جو پہلے فیصلہ ہونا ضروری ہے، اس کا اسی مضمون سے تعلق ہے جو میں بیان کر چکا ہوں کہ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم یہ ناممکن ہے کہ آپ بخشش کے لئے دعا مانگیں اور گناہوں پر اصرار کا عزم ساتھ ساتھ جاری رہے۔ یہ ناممکن ہے دل کی گہرائی سے آپ یہ چاہیں کہ اے خدا میرے گناہ بخش دے اور فیصلہ کریں کہ تو بخش دے، میں نے پھر بھی کرنے ہیں اور نہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ یہ جو ایک منفی پہلو ہے وہ دل میں موجود رہتا ہے۔ خواہ انسان باشعور طور پر اسے سمجھے نہ سمجھے اور اکثر لوگ بخشش کی دعا اس فیصلے کے بغیر مانگتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کیا کیا برائیاں ان کے اندر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ سارا سال انہوں نے کیا کیا گناہ کئے؟ کس کس قسم کی غلطیوں میں مبتلا ہوئے۔ سب کچھ سمجھنے کے باوجود وہ خالی بخشش مانگتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے ہم نے تو باز نہیں آنا ہم تو نافرمانی پر قائم رہیں گے۔ اس لئے تیرا کام ہے تو بخش، تو بخشتا چلا جا۔ یہ جذباتی باتیں ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کی بخشش اگر ہوئی ہے تو رمضان کے بعد کی زندگی بتائے گی کہ بخشش ہوئی تھی کہ نہیں۔ اگر خدا نے بخشا ہے تو ان کی زندگی میں ایک عظیم انقلاب برپا ہو جانا چاہئے اور رمضان کے بعد کی حالت رمضان کی ایک رات پر گواہی دینے والی بنے گی"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ فروری ۱۹۹۶ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل)

"مگر جہاں تک جماعت احمدیہ کا تعلق ہے یہ نہ بھولیں کہ آپ ایک اور لیلۃ القدر کے دور سے گزر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود کا زمانہ جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے، اولین کو آخرین سے ملانے کا زمانہ ہے۔ اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے نورانی لمحات نے حضرت مسیح موعود کا وجود روشن نہ کیا ہوتا تو یہ ناممکن تھا کہ آپ کی وساطت سے اور آپ کے فیض سے ہم اولین سے جا ملتے۔ پس آپ کے لئے تو پھر ایک جاری دور ہے لیلۃ القدر کا۔ اس لیلۃ القدر میں آپ ایسی نیکیاں کما سکتے ہیں کہ جب قرآن کا وعدہ آپ کے حق میں پورا ہو کہ آپ دور ہوتے ہوئے بھی زمانی فاصلوں کے لحاظ سے بھی اور جسمانی فاصلوں کے لحاظ سے بھی، پھر بھی اس زمانے کے ایسے قریب کر دیئے جائیں کہ قرآن کا یہ بیان آپ کے حق میں پورا ہو کہ آخرین ہوتے ہوئے آپ اولین سے آملے ہیں۔

پس آپ کے لئے تو لمحات ہی لمحات ہیں۔ ایک سال کا کیا انتظار کرتے ہیں۔ اپنی ساری زندگیوں کو لیلۃ القدر کیوں نہیں بناتے۔ کیونکہ پھر آپ کی زندگیاں ان لمحات سے بھر جائیں گی جن سے باقی لوگوں کی زندگیاں روشن ہوں گی۔ وہ حضرت محمد رسول ﷺ کا فیض آپ کی صحبت میں گزارے ہوئے لمحات سے حاصل کریں گے۔ تو اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ لیلۃ القدر کے ہر پہلو سے استفادہ کریں۔ اپنی راتوں کو بھی صبحوں میں تبدیل کر دیں اور اس دنیا کی راتوں کو بھی صبح میں تبدیل کر دیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۴ فروری ۱۹۹۵ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۷ اپریل ۱۹۹۵ء)

رمضان سلامت..... سارا سال سلامت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

"دوسری حدیث میں ہے رمضان سلامت رہا تو سارا سال سلامت رہا۔ اس حدیث میں جو مومن سے توقع ہے کچھ اس کا بھی بیان ہے کہ وہ مومن جو حقیقت میں رمضان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کوئی تقاضا توڑتا نہیں اس کے لئے خوش خبری ہے کہ اس کا آئندہ سارا سال سلامتی سے گزرے گا۔ پس پہلی جو احادیث تھیں ان میں ماضی کے تعلق سے خوشخبری دی گئی تھی یعنی پچھلے جو گناہ ہیں وہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ گزشتہ کوتاہیاں جو ہوئیں ان سے صرف نظر فرمایا جائے گا۔ اس لئے فکر نہ کرو اگر رمضان نصیب ہوگیا تو جو کچھ پہلے لغزشیں ہوئیں' کوتاہیاں ہوئیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی معاف فرمادے گا۔ اب اس حدیث میں یہ خوش خبری ہے کہ اگر تم صحیح طور پر رمضان کے تقاضے پورے کروگے تو رمضان کا مہینہ تمہیں بچالے جائے گا اور تمہارا پورا سال بچادے گا۔

پس تم نے رمضان کے مہینے میں جو رستہ اختیار کیا ہے وہ پورے سال تک کے لئے رمضان سے طاقت پائے گا اور سیدھا رہے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے ہے جیسے کوئی گولی بندوق کی نالی سے نکلتی ہے اگر چھوٹی نالی ہو تو بہت جلدی وہ رستے سے بھٹک جاتی ہے اور جتنی لمبی نالی ہو اتنی زیادہ دیر تک سیدھی نشانے کی طرف حرکت کرتی ہے۔ پس اسی لئے لمبی نالیوں سے دور کے نشانے لئے جاتے ہیں۔ چھوٹی نالیوں سے نزدیک کے نشانے لئے جاتے ہیں۔ پس تیس دن کا جو خدا تعالیٰ نے رمضان رکھا۔ یہ ایک ایسی نالی ہے جس میں اگر آپ سیدھے رہ کر گزریں اور رمضان کے حقوق ادا کرتے ہوئے گزریں تو سارا سال آپ کو سیدھا رکھے گی یہاں تک کہ اگلا رمضان آجائے گا اور پھر اگلے رمضان میں ایک اور نالی میں پھر دوبارہ داخل ہوں گے پھر آپ کو سیدھا کیا جائے گا' آپ کی کجیاں صاف کی جائیں گی۔ تو ساری زندگی بچتی ہے اصل میں۔ ایک رمضان کو آپ سلامتی سے گزارلیں تو گویا اگلا سال سلامتی سے گزر گیا اور جب ہر دو رمضان کے درمیان سال سلامتی سے گزرے تو دوسرے معنوں میں ساری زندگی سلامتی سے گزر جائے گی"۔

چاند دیکھنے کی دعا

"ایک ترمذی کتاب الدعوات باب مایقول عندرویہ الہلال میں مذکور حدیث ہے۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نیا چاند دیکھتے تو یہ دعا کرتے۔ اے میرے خدا یہ چاند امن وامان اور صحت و سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ یہ جو دعا ہے اس سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی وسیع تر نظر کی طرف خیال متوجہ ہوتا ہے ۔ رمضان کا مہینہ بہت برکتوں والا ہے لیکن رمضان کا چاند جو امن کا پیغام لاتا ہے' جو نیکی کا پیغام لاتا ہے آپ یہ دعا نہیں کرتے کہ اس مہینے کا چاند روزانہ ایسا نکلے۔ آپ فرماتے ہیں اے خدا ہمارا سارا سال ایسا ہو جائے کہ وہ برکتیں جو اس چاند کے ساتھ وابستہ ہیں' وہ امن جو اس چاند کے ساتھ وابستہ ہے' وہ ہمارے ہر روز کے چاند کے ساتھ وابستہ ہو جائے۔ امن اور صحت اور سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی چاند کے ساتھ کوئی ذاتی تعلق نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بعض فرمودات' بعض اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا نشان بنتا ہے تو اچھا لگتا ہے اس کے بغیر اس سے ہمارا ذاتی تعلق کوئی نہیں ہے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے تو خیر و برکت اور رشد و بھلائی کا چاند بن۔ اس کی عربی یاد کرنا تو مشکل ہوگا لیکن اردو الفاظ یاد رکھیں۔ میں ایک دفعہ پھر دہراتا ہوں۔ جب نیا چاند نکلتا تو آنحضور ﷺ اپنے رب کے حضور یہ دعا عرض کرتے

اے میرے خدا یہ چاند امن وامان اور صحت و سلامتی کے ساتھ ہر روز نکلے۔ اے چاند میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے تو خیر و برکت

اور رشد و بھلائی کا چاند بن"۔

آخری۔ دعا

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام آخر پر جس دعا کی طرف توجہ دلاتے ہیں اب اتنا سا وقت رہ گیا ہے کہ میں یہ دعا پڑھ کر اس خطبے کو ختم کروں گا۔ آپ فرماتے ہیں:

"پس میرے نزدیک خوب ہے کہ انسان دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ' یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ اور اس سے توفیق طلب کرے۔ مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔"

اس لئے روزے میں حائل ہونے والی بیماریوں کا علاج بھی یہ دعا ہے جو اس مہینے میں کثرت سے کرنی چاہئے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھیے تو خدا تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے۔ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور (بہادر) ثابت کر دے"۔

"جو شخص کہ روزے سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزہ رکھیں گے۔ بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو تو خدا اسے ہرگز ثواب سے محروم نہ رکھے گا"۔

رمضان نے گزر ہی جانا ہے لیکن

"اس رمضان نے گزرنا ہے مگر ایک بات یاد رکھیں کہ آپ کی اور میری ہم سب کی زندگیوں نے بھی گزر جانا ہے۔ سب سے بڑی غفلت موت کے دن کو بھلانے سے ہے۔ رمضان کو تو آپ وداع کہہ دیں گے۔ مگر یاد رکھیں آپ کی جانیں' آپ کی روحیں بھی ایک دن آپ کو وداع کہیں گی۔ اس وقت ایسے حال میں وداع نہ کہیں کہ حسرت سے آپ ان روحوں کو واپس پکڑنے کی کوشش کریں کہ چلو واپس چلتے ہیں۔ اس دنیا میں دوبارہ گزارتے ہیں' نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ آخری دن آئیں کہ فی الرفیق الاعلیٰ آوازیں بلند ہو رہی ہوں۔ یہ پیغام ہے جو آنحضرت ﷺ کا پیغام ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ اکثر لوگ بھول جاتے ہیں مرنے کو حالانکہ سب سے زیادہ یقینی چیز مرنا ہے۔ جتنے ہم ہیں' سب کے سب نے ضرور مرنا ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا بستر پر پڑے ہوں گے یا قتل ہوں گے یا اور ڈوبیں گے' جو بھی صورت ہوگی خدا کے نزدیک لازماً ہم نے مرنا ہے۔ اس لئے زندگی کے چند دن عیش' چند دن کی طغیانیاں' چند دن کی خدا تعالیٰ کی نافرمانیاں' یہ کب تک چلیں گی۔ جب مریں گے تو ضرور حسرت سے مریں گے اور دوبارہ یہ زندگی چاہیں گے۔ مگر یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ یہی زندگی ہے جس کو اگر آپ لیلۃ القدر سے روشن کرلیں تو یہ زندگی پھر اس دنیا میں ہی نہیں اس دنیا میں بھی ساتھ دے گی۔۔ اس دنیا میں جس رفیق کو آپ پائیں گے' وہ آپ کو چھوڑے گا نہیں' مرتے وقت اس کے اور قریب ہوں گے' اس سے دور نہیں ہٹیں گے۔

پس میں امید رکھتا ہوں کہ رمضان مبارک کے اس پیغام کو آپ بشدت بڑے غور کے ساتھ اپنی زندگیوں میں جاری کرنے کی کوشش کریں گے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۳ جنوری ۹۸ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۳ مارچ ۹۸ء)

— عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِي السُّحُوْرِ بَرَكَةً۔

(بخاری کتاب الصوم باب برکۃ السحور و مسلم)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزے کے دنوں میں سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھا کر روزہ رکھنے میں برکت ہے۔

تبرکات

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اے

حضرت اماں جان کی آواز کا ریکارڈ اور جماعت کے نام پیغام

اس زمانہ کی بعض ایجادیں اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہیں۔ جن کے ذریعہ کئی قسم کے علمی اور تاریخی اور جذباتی فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک انسانی آواز کو محفوظ کرنے کی ایجاد ہے۔ جو ریکارڈنگ مشین کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کرلی جاتی ہے۔ اور پھر حسب ضرورت مشین کو چلا کر سنی جاسکتی ہے۔ یہ ایک قسم کی ترقی یافتہ گراموفون ہے۔ جو بجلی کے ذریعہ کام کرتی ہے اور بعض مشینوں میں تار استعمال ہوتی ہے۔ اور بعض میں ٹیپ یعنی فیتہ استعمال ہوتا ہے۔ گزشتہ موسم سرما میں سید عبدالرحمٰن صاحب امریکہ سے ایک تار والی مشین اپنے ساتھ ربوہ لائے تھے۔ اور میری تحریک پر انہوں نے 7 فروری 1952ء کو حضرت اماں جان کی آواز محفوظ کی۔ یہ ایک مختصر سا پیغام ہے۔ جو حضرت اماں جان نے سوال و جواب کے رنگ میں جماعت کے نام دیا ہے۔ سوال میری طرف سے میری آواز میں ہے اور جواب حضرت اماں جان کی طرف سے حضرت اماں جان کی آواز میں ہے۔ میں اس سوال و جواب کو دوستوں کی اطلاع کے لئے درج ذیل کرتا ہوں یہ ریکارڈ امریکہ سے واپس آنے پر انشاء اللہ یہاں کے جلسہ مستورات میں سنایا جاسکے گا یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ حضرت اماں جان ادام اللہ فیوضہا کی وفات سے صرف دو اڑھائی ماہ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ مشین ربوہ پہنچا دی اور پھر اس مشین کے ذریعہ حضرت اماں جان کی آواز محفوظ کرنے کا خیال بھی آ گیا۔ بہر حال جن الفاظ میں آواز بھری گئی ہے وہ درج ذیل کئے جاتے ہیں:

خاکسار مرزا بشیر احمد:۔ اماں جان السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت اماں جان:۔ وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔

خاکسار مرزا بشیر احمد:۔ آپ کی آواز جماعت برکت کے خیال سے محفوظ کرنا چاہتی ہے۔ اگر آپ کی طبیعت اچھی ہو تو جماعت کے نام کوئی پیغام دیکر ممنون کریں۔

حضرت اماں جان:۔ میرا پیغام یہی ہے کہ میری طرف سے سب کو سلام پہنچے جماعت کو چاہیے کہ تقویٰ اور دینداری پر قائم رہے (دین) اور احمدیت کی (دعوت) کی طرف سے کبھی غافل نہ ہو۔ اسی میں ساری برکت ہے۔ میں جماعت کے لئے ہمیشہ دعا کرتی ہوں۔ جماعت مجھے اور میری اولاد کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد:۔ یہ حضرت اماں جان اطال اللہ ظلہا حال مقیم ربوہ کا جماعت احمدیہ کے نام پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ اور حضرت اماں جان کی صحت اور عمر اور فیوض میں برکت عطا کرے۔

خاکسار مرزا بشیر احمد 7 فروری 1952ء

یہ وہ الفاظ ہیں جن میں 7 فروری 52ء کو حضرت اماں جان ادام اللہ فیوضہا کی آواز ریکارڈنگ مشین میں بھری گئی۔ یہ آواز احتیاطاً دو دفعہ بھری گئی تھی۔ کیونکہ حضرت اماں جان کے ضعف اور نقاہت کی وجہ سے ایک دفعہ کی کوشش میں کچھ غلطی ہو گئی تھی امید ہے دونوں ریکارڈوں کو ملانے اور جوڑنے سے پورا پیغام مکمل ہو جائے گا۔ اس کے بعد 20 اپریل 52ء کو حضرت اماں جان حضرت مسیح موعود کے ساتھ دائمی زندگی پانے کے لئے اللہ کے حضور پہنچ گئے۔

(روزنامہ الفضل لاہور۔ 4 جون 1952ء)

جماعت کے ایک ایک فرد کو قرآن کریم کا ترجمہ آنا چاہئے

حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں۔

”میں یہ ہدایت دیتا ہوں کہ ہر سال مرکز کی طرف سے باہر سے آنے والے خدام کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھانے کا انتظام کیا جائے اور ہر جماعت کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا ایک ایک نمائندہ یہاں تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے یہاں ان کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھانے کا باقاعدہ انتظام کیا جائے گا۔ اور اس کے بعد ان کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ کہ وہ باہر اپنی اپنی جماعتوں میں قرآن کریم کا درس جاری کریں۔ اور جن کو قرآن کریم کا ترجمہ نہیں آتا ان کو قرآن کریم کا ترجمہ پڑھائیں۔ یہاں تک کہ ہماری جماعت میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہ رہے۔ نہ بچہ نہ جوان نہ بوڑھا جسے قرآن کریم کا ترجمہ نہ آتا ہو۔“

(خدام الاحمدیہ کے اجتماع 1942ء سے خطاب)